دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی

شعور و آگہی

لاہور

اپریل تا جون 2012ء / جمادی الاولیٰ تا رجب 1433ھ جلد نمبر 04 شمارہ نمبر 02 رجسٹرڈ نمبر S-370

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) رجسٹرڈ

ظالم حکمران کے سامنے عدل وانصاف کی بات کہنا جہاد ہے

(امام) ابوبکر (جصاص رازیؒ) فرماتے ہیں کہ:

''ہم سے روایت کیا محمد بن عمرؒ نے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی ہے احمد بن محمد ابن عمر بن مصوب مروَزیؒ نے، وہ کہتے ہیں کہ: میں نے ابوعمارہؒ سے سنا، انھوں نے کہا کہ: میں نے حسن بن رشیدؒ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ: میں نے (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہؒ سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں (حضرت) ابراہیم صائغ نے خبر دی، اور وہ روایت کرتے ہیں عکرمہؒ سے اور وہ (حضرت عبداللہ) ابن عباسؓ سے اور وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''شہیدوں کے سردار حمزہ بن عبدالمطلبؓ ہیں اور ہر وہ آدمی ہے، جو ظالم حکمران کے سامنے اٹھ کھڑا ہو، اسے نیکی کا حکم دے اور اس کو ظلم سے روکے، اس بنا پر وہ ظالم حکمران اُسے شہید کر دے۔''

(امام) ابوبکر رازیؒ اس حدیث کی روایت کے بعد لکھتے ہیں:

''ایک فضول سی جماعت کا یہ گمان ہے کہ ''اگر کوئی حکمران ظلم وستم کرے اور قتل انسانیت کا ارتکاب کرے، جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے، تو اُس پر کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ حکمران کے علاوہ عام لوگوں کو ہتھیاروں کے بغیر صرف زبان اور ہاتھ سے اس ظلم سے روکنا چاہیے۔''

ایسی رائے رکھنے والے لوگ امت کے مخالف دشمنوں کی جانب سے پیدا کردہ شر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ گروہ حکمرانوں کے ظلم وستم کے خلاف آواز اٹھانے سے لوگوں کو روکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فاسقوں اور فاجروں کا غلبہ ہوجاتا ہے، بلکہ اسلام کے دشمن اس طرح تسلط حاصل کرلیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ملکی امن جاتا رہتا ہے، ظلم کو فروغ حاصل ہوتا ہے، شہر تباہ و برباد ہوجاتے ہیں، دین اور دنیا کی ترقی ختم ہوجاتی ہے اور الحاد و زندقہ اور انتہاپسندی غالب آجاتی ہے۔''

(برصغیر میں دینی رہنماؤں کا تاریخی تسلسل۔ ص:40-39)

دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی، تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی شعور و آگہی لاہور

اپریل تا جون 2012ء / جمادی الاولیٰ تا رجب 1433ھ | جلد نمبر 04 شمارہ نمبر 02 | رجسٹرڈ نمبر S-370

زیرِ سرپرستی
حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

مجلسِ ادارت

صدرِ مجلس	مدیرِ اعلیٰ	مدیر
پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن	مفتی عبدالخالق آزاد	محمد عباس شاد

مشاورت

- مفتی عبدالمتین نعمانی — بورے والا
- مفتی عبدالقدیر — چشتیاں
- مفتی عبدالغنی قاسمی — لاہور
- مفتی محمد مختار حسن — نوشہرہ
- ڈاکٹر سید لیاقت علی شاہ معصومی — سکھر
- مولانا عبداللہ عابد سندھی — شکارپور
- مولانا محمد ناصر — جھنگ
- پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل — سعودی عرب
- پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالمقیت شاکر علیمی کراچی
- پروفیسر ڈاکٹر ابرار محی الدین — بہاولپور
- پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر — اسلام آباد
- پروفیسر محمد سعید اختر — اسلام آباد
- پروفیسر قاضی محمد یوسف — حسن ابدال
- پروفیسر ڈاکٹر محمد جہانگیر — لاہور

قیمت فی شمارہ: 100 روپے
سالانہ زرِتعاون: 400 روپے

شعبہ مطبوعات
ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
PH:0092-42-36307714 / 36369089 web: www.rahimia.org

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی''، رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

گلدستۂ مضامین

اداریہ: حرفِ اول — مدیرِ اعلیٰ — 03

تاریخی سلسلۂ اسناد
حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا سلسلۂ سند
"مقامِ محمود" کا اردو ترجمہ
تحریر و تصنیف: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ
ترجمہ و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد — 05

تاریخی سلسلۂ اسناد
برصغیر میں دینی رہنماؤں کا تاریخی تسلسل (6)
"سبیل الرّشاد" کا اردو ترجمہ (آخری قسط)
تحریر و تصنیف: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ
ترجمہ و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد — 15

مطالعۂ فقہ
اسلام کا نظریۂ اجتہاد
(مولانا محمد تقی امینیؒ کے نقطۂ نظر کا خصوصی مطالعہ)
تحریر: مولانا محمد انس حسان — 77

علمی لیکچر
اسلامی اقتصادی نظام کے اصول
فاسٹ یونیورسٹی، اسلام آباد میں مدیرِ اعلیٰ کا ایک علمی، تحقیقی لیکچر — 101

تعارفِ مقالہ نگار

- مفتی عبدالخالق آزاد — ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور
- مولانا محمد انس حسان — استاد: جامعہ قاسم العلوم، گلگشت کالونی، ملتان

اداریہ

حرفِ اول

دین اسلام کی تعلیمات بلاشبہ انقلابی ہیں۔ آٹھویں صدی عیسوی میں ان تعلیمات نے پورے عرب و عجم میں ایک عالم گیر انقلاب برپا کر کے رکھ دیا۔ صحابہ کرامؓ کی اولوالعزم جماعت نے اپنی جرأت و ہمت سے انسانی معاشروں میں ایسے انقلاب کی داغ بیل ڈالی، جس نے رہتی دنیا تک انسانی قلوب میں بلند ترین انقلابی جذبے کی چنگاریاں بھر دیں۔ اسلام نے خداپرستی اور انسان دوستی کی اساس پر انسانی معاشروں کے لیے ایسے معیارات طے کیے، جن کی بنیاد پر تمام انسانوں کے لیے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب، عدل و انصاف، امن و امان اور معاشی خوش حالی کا دور دورہ ہوا۔ ان معیارات کے مطابق معاشروں کے قیام کے لیے اب تک پورے تسلسل کے ساتھ دینی تعلیمات کی حامل ایسی جماعتیں کام کرتی رہی ہیں، جو صحابہ کرامؓ کے سے انقلابی جذبوں کی حامل رہی ہیں۔

مسلم دور کے غلبے کی تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کے قائم کردہ ان معیارات کو برقرار رکھنے کے لیے دینی تعلیمات کے تینوں اہم ترین شعبوں، یعنی شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت کی حامل شخصیتوں اور ان کی زیرِنگرانی تشکیل پانے والی جماعتوں نے اپنا کردار پورے تسلسل کے ساتھ ادا کیا ہے۔ اس دور میں ایسے مجددین اولیاء اللہ، علمائے ربانیین کی جماعتیں وجود میں آئیں، جنھوں نے نامساعد حالات کے باوجود دین اسلام کے بلندتر معیار کے قیام کے لیے بسا اوقات تن تنہا عظیم الشان جدوجہد اور کوشش کی ہے۔ بلاشبہ یہ حضرات، مجددین امت میں سے ہیں۔ پچھلے چودہ سو سالوں میں شریعت کی اساس پر انسانی فائدے کے لیے فقہی قانون سازی ہوئی۔ اس شعبے کے علما و مجتہدین نے اس حوالے سے بڑی اہم خدمات سرانجام دیں۔ اسی طرح طریقت کے شعبے کے محققین صوفیا نے انسانی روح کے امراض سمجھنے اور دینی تعلیمات کی روشنی میں ان کا صحیح علاج دریافت کرنے کی طرف توجہ کی اور بڑی قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ اسی طرح سیاست کے شعبے میں خلفائے راشدین سے لے کر سلاطین عثمانیہ اور آخری مغل بادشاہ تک ایسے حکمران گزرے ہیں، جنھوں نے معاشروں کی درست تشکیل کے لیے کردار ادا کیا اور انسانی معاشروں کے سیاسی مسائل حل کیے۔ عدل و انصاف قائم کرنے والے سلاطین اور حکمرانوں نے اس حوالے سے بلاشبہ بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ شریعت، طریقت اور سیاست کے الگ الگ شعبوں میں کردار ادا کرنے والوں نے اگرچہ بڑے اہم کام سرانجام دیے، لیکن ایسی شخصیات اور جماعتیں، جنھوں نے بیک وقت ان تینوں شعبوں کے حوالے سے دینی جامعیت کو پیش نظر رکھا، بہت کم ہیں۔ ایسے مجددین انقلابی علمائے ربانیین نے خلفائے راشدین

کے دور کے اعلیٰ معیارات قائم کرنے کے لیے انقلابی جدوجہد کی ہے۔ ایسی شخصیات بلاشبہ ایسے منصب پر فائز ہیں، جن سے ہر دور میں رہنمائی لی گئی ہے۔ یہی شخصیات دراصل مجددین ہیں اور انقلابی کردار کی حامل ہیں۔

امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ سے لے کر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شیخ الہند مولانا محمودحسنؒ تک ایسے اولوالعزم ائمہ دین، مجتہدین اور مجددین امت کی ایک طویل فہرست ہے، جنھوں نے اپنے اپنے ادوار میں دین کے جامع انقلابی پیغام اور اس کے اعلیٰ معیار کے قیام کے لیے جانی اور مالی قربانیوں کی لازوال تاریخی جدوجہد رقم کی ہے۔ امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کی عظیم الشان شخصیت، دین اسلام کی جامع انقلابی تعلیمات کے غلبے کے لیے اولین دور میں کام کرنے والی شخصیات میں انتہائی اہم ہے۔ آپؒ شریعت، طریقت اور سیاست کے جامع ہیں۔ آپؒ نے تاریخ کے ایک اہم دور میں سیاسی حوالے سے بڑا انقلابی کردار ادا کیا ہے۔ آپؒ نے اپنے دور میں دین کے اعلیٰ معیارات برقرار رکھنے کے لیے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ اسی طرح آخری دور میں شیخ الہند مولانا محمودحسن قدس سرۂ ایسی ہی جامع انقلابی شخصیت ہیں، جو بیک وقت شریعت، طریقت اور سیاست کے جامع ہیں۔ آپؒ ایک طرف تمام علوم و فنون میں بحرِ بے کراں کی حیثیت رکھتے ہیں تو دوسری طرف برصغیر پاک و ہند کو غلامی سے نکالنے اور آزادی و حریت سے ہم کنار کرنے والے انقلابی رہنما بھی ہیں۔ اس کے لیے آپؒ کو بھی قید و بند کی آزمائشوں سے گزرنا پڑا ہے۔

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنی کتاب ''التمہید'' میں امامِ اعظم امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی قدس سرۂ سے لے کر شیخ الہند مولانا محمودحسن قدس سرۂ تک ان انقلابی ائمہ مجددین کے تاریخی تسلسل کو بڑی جامعیت کے ساتھ مرتب کردیا ہے۔ مولانا سندھیؒ نے امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کے بیان کردہ انقلابی اصولوں، آپ کے علم و فکر کی جامعیت، شریعت، طریقت اور سیاست میں آپ کے عظیم الشان سلسلے کی حقیقت واضح کی ہے۔ بعد کے ادوار میں ان تینوں شعبوں میں اقوامِ عالم نے امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کے متعین کردہ انقلابی اصولوں سے رہنمائی لی ہے۔ آپؒ کے متبعین علما و مشائخ، آپؒ کے بتلائے ہوئے راستے کی روشنی میں دین اسلام کی جامع انقلابی تعلیمات کا علم اُٹھائے رہے۔ اسی طرح حضرت شیخ الہند مولانا محمودحسنؒ نے قومی آزادی و حریت کے حوالے سے جو انقلابی اصول متعین کیے تھے، سچے علما اور رہنمایانِ قوم نے انھیں قبول کیا ہے۔ آج اقوامِ عالم انھی اصولوں کی پیروی کرنے پر مجبور ہیں۔ مستقبل کی تعمیر و تشکیل میں حضرت شیخ الہندؒ کے انقلابی اصول بلاشبہ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس شمارے میں ہم حضرت شیخ الہند قدس سرۂ کے سلسلۂ اسناد پر مشتمل ''التمہید'' کے پہلے مقالے ''مقامِ محمود'' کا اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کے کردار کے حوالے سے ''سبیل الرشاد'' کے ترجمے کی آخری قسط بھی پیش کی جا رہی ہے۔ جب کہ حضرت شیخ الہندؒ کے انقلابی اصول گزشتہ اقساط میں بیان ہوچکے ہیں۔ اس شمارے کا تیسرا مقالہ ''اسلام میں نظریۂ اجتہاد'' کے حوالے سے ہے۔ نیز ''اسلام کے اقتصادی نظام کے بنیادی اصول'' کے عنوان سے ایک علمی لیکچر اور اس پر ہونے والے سوالات کے جوابات بھی شاملِ اشاعت ہیں۔ (مدیرِ اعلیٰ)

تاریخی سلسلۂ اسناد

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا سلسلۂ سند

''التمہید'' کے پہلے مقالے ''مقامِ محمود'' کا اردو ترجمہ

تصنیف و تالیف: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ
ترجمہ و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد

تعارف کتاب

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنی عظیم الشان کتاب ''**التمهيد لتعريف آئمّة التجديد**'' کو درجِ ذیل چار مقالوں کی صورت میں قلم بند فرمایا تھا:

1۔ پہلا مقالہ ''**مقامِ محمود**'' کے عنوان سے ہے۔ اس حصے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کے سلسلۂ سند سے متعلق چالیس اسانید بیان فرمائی ہیں۔

2۔ دوسرا مقالہ ''**تحديث العبد الضعيف بنعمة ربه اللطيف**'' کے عنوان سے ہے، جس میں حضرت سندھیؒ نے اپنی خودنوشت سوانح لکھی ہے۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ اور ہزارۂ دوم کے مجددین بالخصوص ولی اللّٰہی سلسلے سے اپنے تعلق اور ان کے تجدیدی اَفکار کی وضاحت بیان کی ہے۔

3۔ تیسرا مقالہ ''**سبيل الرشاد**'' کے نام سے ہے۔ جو بقول مولانا سندھیؒ؛ شاہ ولی اللہؒ کی دو کتابوں ''**الإنتباه في سلاسل اولياء اللّٰه**'' اور ''**الإرشاد الى سبيل الرشاد**'' کے ذیل کے طور پر لکھا گیا ہے۔ جس میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر آئمہ مجتہدینِ مطلق اور خلفائے راشدین تک تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور فلسفے کے سلسلۂ اسناد کو بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔

4۔ چوتھا مقالہ ''**مواقف المسترشدين**'' کے عنوان سے ہے۔ جس میں ہزارۂ دوم کے مجددین، خاص طور پر ولی اللّٰہی جماعت کے اُس تجدیدی کام کا تعارف کرایا ہے، جو انھوں نے علم حدیث، علم فقہ اور فن تطبیق الآرا کے حوالے سے کیا ہے۔ اور ان علوم کے حوالے سے مجددانہ پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے۔

''**التمهيد**'' کے دوسرے اور تیسرے مقالہ جات کا اردو ترجمہ ''شعور و آگہی'' کے گزشتہ اڑھائی سال کے شماروں میں دس اقساط میں شائع کیا جا چکا ہے۔ ذیل میں ''**التمهيد**'' کے پہلے مقالے ''**مقامِ محمود**'' کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔

مقامِ محمود

(''التمہید'' کا پہلا مقالہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، أمّا بعد!

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور درود وسلام ہو اللہ کے اُن بندوں پر، جنھیں اس نے منتخب کیا ہے۔ اس کے بعد یہ حصہ ''مقامِ محمود'' کے عنوان سے ہے۔ جس میں مَیں نے اپنے شیخ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی اسانید میں سے چالیس اسناد جمع کی ہیں۔ تا کہ ایسے لوگ اس سے مستفید ہوں، جو علمائے دیوبند اور اُن کے دہلوی مشائخ کے بارے میں اجمالی طور پر معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے اس رسالے کو تین ابواب میں مرتب کیا ہے:

1۔ پہلا باب: دیوبندی جماعت کے بنیادی رہنماؤں کی اسانید

2۔ دوسرا باب: ولی اللّٰہی جماعت کے ائمہ کی اسانید

3۔ تیسرا باب: ہزارۂ دوم میں ہندوستان کے علما میں سے مجددین ائمہ کی اسانید

واللّٰہ الموفق۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

پہلا باب: دیوبندی جماعت کے بنیادی رہنماؤں کی اسانید

☆ شیخ الاجل مولانا (شاہ) عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ 1054ھ (1644ء) میں پیدا ہوئے اور ان سے ولی اللّٰہی جماعت کی نشو ونما ہوئی۔ وہ شہر شاہ جہان آباد (دہلی) کی جامع مسجد کے سنگِ بنیاد کے موقع پر موجود تھے۔ ان کا انتقال 1131ھ (1719ء) میں ہوا۔

☆ پھر ان کے صاحبزادے امام ولی اللہ دہلویؒ ہوئے، ان کا انتقال 1176ھ (1762ء) میں ہوا۔

☆ پھر ان کے صاحبزادے امام عبدالعزیز دہلویؒ ہوئے، ان کا انتقال 1239ھ (1824ء) میں ہوا۔

☆ پھر ان کے بھتیجے صدر الشہید مولانا محمد اسماعیل (شہیدؒ) ہوئے، انھیں 1246ھ (1831ء) میں شہید

کردیا گیا۔

☆ پھر ان کے نواسے صدرالحمید مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) اور ان کے بھائی مولانا محمد یعقوب (دہلویؒ) ہوئے، جنھوں نے 1257ھ (1841ء) میں حجاز کی جانب ہجرت کرلی تھی۔ صدرالحمید کا مکہ مکرمہ میں 1262ھ (1846ء) میں انتقال ہوا اور مولانا محمد یعقوب (دہلویؒ)، جو ولی اللّٰہی خانوادے کے باقی رہ جانے والے بہترین افراد میں سے تھے، ان کا انتقال 1282ھ (1866ء) میں ہوا۔

رضی اللّٰہ عنھُم اجمعین۔ اللہ تعالیٰ ان تمام سے راضی ہوجائے۔

(بالاکوٹ میں) واقعۂ شہادت کے بعد امام ولی اللہ دہلویؒ سے نسبت رکھنے والے لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا اور صدرالحمید (مولانا محمد اسحاق دہلویؒ) کی وفات کے بعد اس کی دو جماعتیں ہوگئیں: ایک ''دہلوی جماعت'' اور دوسری ''عظیم آبادی جماعت''۔ 1274ھ (1857ء) میں دہلی پر برطانیہ کے قبضے کے بعد یہ تقسیم مستقل بنیادوں پر قائم ہوگئی۔ مولانا محمد یعقوب دہلویؒ کی وفات کے بعد پہلی جماعت نے اپنا مرکز دہلی کے قریب دیوبند شہر میں قائم کیا۔ وہاں انھوں نے 1283ھ (1866ء) میں ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی۔ اس طرح یہ لوگ دیوبندی جماعت کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ یہ حضرات دائیں یا بائیں جھکے بغیر دینی تحریک کے رہنماؤں کی اتباع کرتے ہوئے ولی اللّٰہی جماعت کے اصل طریقے پر پوری استقامت کے ساتھ قائم رہے۔

واللّٰہ المُستعان. اللہ تعالیٰ سے ہی اس سلسلے میں مدد طلب کی جاتی ہے۔

[1] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ سے، وہ قدوۃ العارفین امیر امداداللہ تھانوی مکیؒ سے اور وہ امیر نصیرالدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[2] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں مولانا محمد یعقوب دیوبندیؒ، مولانا محمد قاسم (نانوتوی) دیوبندیؒ، مولانا احمد علی (محدث) سہارنپوریؒ، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ اور مولانا (قاری) عبدالرحمٰن پانی پتیؒ سے، اور یہ پانچوں حضرات پہلے کے والد اور دوسرے کے چچا استاذ الاساتذہ مولانا مملوک علی (نانوتوی) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[3] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ سے، وہ قدوۃ الصالحین شیخ مظفر حسین کاندھلویؒ سے اور وہ بقیۃ السلف مولانا محمد یعقوب دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[4] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ) سے، وہ متقی، صالح مولانا عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ سے اور وہ شیخ الاسلام، علم الجہاد مولانا احمد سعید (مجددی) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[5] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ ذوالفقار علی دیوبندیؒ سے اور وہ صدرالصدور

شیخ صدرالدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسرا باب: ولی اللّٰہی جماعت کے ائمہ کی اسانید

فصل(1): مہدیٔ ہندی، امیرالمؤمنین سید احمد دہلوی شہیدؒ کی اسانید

[6] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں امیر امداداللہ (تھانوی مہاجر مکیؒ) سے، وہ امیر نصیرالدین (دہلویؒ)، شیخ نور محمد جھنجھانویؒ اور صدرالحمید مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) سے اور یہ تینوں حضرات امیرالشہید (سید احمد شہیدؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(2): امیرالمؤمنین (سید احمد شہیدؒ) کے وزرا کی اسانید

اس فصل میں امیرالمؤمنین (سید احمد شہیدؒ) کے وزرا، صدورِ ثلاثہ مولانا عبدالحیٔ (بڈھانویؒ)، مولانا محمد اسماعیل (شہیدؒ) اور مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) کی اسانید کا بیان ہے۔

[7] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں اپنے زمانے کے حافظ الحدیث مولانا احمد علی (محدث سہارنپوریؒ) سے، وہ شیخ وجیہ الدین محسنی (سہارنپوریؒ) سے، وہ صدرالسعید مولانا عبدالحیٔ (بڈھانوی) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[8] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ امیر امداداللہ (تھانوی مہاجر مکیؒ) سے، وہ امیر نصیرالدین دہلویؒ سے اور وہ صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل (شہید) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[9] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ، شیخ احمد علی (محدث سہارنپوریؒ)، شیخ محمد مظہر نانوتویؒ، شیخ (قاری) عبدالرحمٰن پانی پتی اور امیر امداداللہ تھانویؒ سے اور یہ پانچوں حضرات صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(3): امام ولی اللہ دہلویؒ کے تینوں صاحبزادگان کی اسانید

اس فصل میں ائمہ ثلاثہ: امام عبدالعزیز (دہلویؒ)، شیخ رفیع الدین (دہلویؒ) اور شیخ عبدالقادر (دہلویؒ) کی اسانید کا بیان ہے، جو اپنے والد امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے طریقے میں مجتہدین کی حیثیت رکھتے ہیں۔

[10] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) اور شیخ احمد علی (محدث سہارنپوریؒ) سے اور وہ دونوں حضرات صدرالحمید (مولانا محمد اسحاق دہلویؒ) سے، وہ ائمہ ثلاثہ (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ

عبدالقادر دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[11] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ امیر امداداللہ (تھانوی) سے، وہ امیر نصیرالدین (دہلویؒ) اور صدورِ ثلاثہ (صدالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ، صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور صدر السعید مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ) سے اور وہ تینوں ائمہ (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ عبدالقادر دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[12] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ استاذ الاساتذہ مولانا مملوک علی (نانوتوی) دہلویؒ سے، وہ شیخ رشیدالدین دہلویؒ سے اور وہ ائمہ ثلاثہ (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ عبدالقادر دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[13] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں امیر امداداللہ (تھانوی) اور شیخ (قاری) عبدالرحمٰن پانی پتی سے، وہ دونوں حضرات شیخ قلندر جلال آبادیؒ سے، وہ شیخ الٰہی بخش کاندھلویؒ سے اور وہ ائمہ ثلاثہ (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ عبدالقادر دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[14] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ شیخ الاسلام مولانا عبدالغنی (مجددی دہلوی) سے، وہ شیخ الاسلام مولانا احمد سعید دہلویؒ سے اور وہ ائمہ ثلاثہ (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ عبدالقادر دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(4): ہندی (اردو) زبان کے امام المفسرین مولانا شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی اسانید

[15] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ ذوالفقار علی دیوبندیؒ سے، وہ (شیخ) صدرالدین دہلویؒ سے، وہ صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے اور وہ امام عبدالقادر دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[16] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں اپنے زمانے کے حافظ الحدیث مولانا احمد علی (محدث) سہارنپوریؒ سے، وہ شیخ وجیہ الدین محسنی (سہارنپوریؒ) سے، وہ صدرالسعید (مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ) سے اور وہ امام عبدالقادر دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(5): فنونِ تحصیل اور علومِ حکمت کے ائمہ کے امام، مولانا رفیع الدین دہلویؒ کی اسانید

[17] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں مولانا محمد یعقوب (نانوتوی) دیوبندیؒ سے، وہ (اپنے والد) مولانا مملوک علی (نانوتویؒ) دہلویؒ سے، وہ شیخ رشیدالدین دہلویؒ سے اور وہ امام رفیع الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[18] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتوی) دیوبندیؒ سے، وہ مولانا مملوک علی (نانوتویؒ) دہلویؒ سے، وہ شیخ رشیدالدین دہلویؒ سے اور وہ امام (شاہ) رفیع الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[19] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ سے، وہ شیخ مخصوص اللہ دہلویؒ سے اور وہ اپنے والد امام رفیع الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[20] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ امیر امداداللہ (تھانویؒ) سے، وہ امیر نصیرالدین دہلویؒ سے، وہ صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل (شہیدؒ) سے اور وہ اپنے تایا امام رفیع الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(6): ہندوستانی تحریک کو منظّم کرنے والے (ہزارۂ دوم) کی تیسری صدی کے مجدد امام عبدالعزیز دہلویؒ کی اسانید

[21] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ استاذ الاساتذہ مولانا مملوک علی (نانوتوی) سے، وہ شیخ رشیدالدین (دہلویؒ) سے، وہ شیخ رفیع الدین دہلویؒ سے اور وہ اپنے بھائی سراج الہند امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[22] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ (قاری) عبدالرحمٰن پانی پتی سے، وہ شیخ حسن علی پانی پتی سے، وہ شیخ عبدالقادر (دہلویؒ) سے اور وہ اپنے بھائی سراج الہند امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[23] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں امیر امداداللہ (تھانویؒ) سے، وہ امیر نصیرالدین (دہلویؒ) سے، وہ امیرالشہید (سید احمد شہیدؒ) اور ان کے تینوں وزرا (مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ، مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد اسحاق دہلویؒ) سے اور یہ سب حضرات سراج الہند امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[24] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، وہ صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے اور وہ اپنے نانا سراج الہند امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[25] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ شیخ احمد علی

(محدث سہارنپوریؒ) سے، وہ صدرالحمید (شاہ محمداسحاق دہلویؒ) سے اور وہ اپنے نانا سراج الہند امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[26] شیخ الہند (مولانا محمودحسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمدقاسم نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ) مظفرحسین کاندھلویؒ سے، وہ بقیۃ السلف مولانا (شاہ) محمد یعقوب دہلویؒ سے اور وہ اپنے نانا سراج الہند امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[27] شیخ الہند (مولانا محمودحسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ سے، وہ اپنے والد شیخ ابوسعید دہلویؒ سے، وہ شیخ غلام علی عبداللہ دہلویؒ سے اور وہ سراج الہند امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[28] شیخ الہند (مولانا محمودحسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ احمد طرابلسی اروادیؒ سے، وہ شیخ (محمدامین) ابن عابدین دمشقی (شامیؒ) سے، وہ شیخ خالد کردی (نقشبندیؒ) سے اور وہ سراج الہند امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(7): دینی تحریک کے بانی اور حکمتِ شرعیہ کی تدوین میں امام الائمہ

حکیم الہند امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ کی اسانید

[29] شیخ الہند (مولانا محمودحسنؒ) روایت کرتے ہیں پانچ مشائخ (شاہ) عبدالغنی (مجددی دہلویؒ)، (مولانا) احمدعلی (محدث سہارنپوریؒ)، (مولانا) محمدمظہر (نانوتویؒ)، (شیخ قاری) عبدالرحمٰن (پانی پتی) اور (شیخ) امداداللہ (تھانوی مہاجر مکیؒ) سے، یہ تمام حضرات صدرالحمید (شاہ محمداسحاق دہلویؒ) سے اور وہ ائمہ ثلاثہ (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ عبدالقادر دہلویؒ) سے اور وہ (اپنے والد) امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[30] شیخ الہند (مولانا محمودحسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، وہ شیخ محمدعابد ہندی (سندھیؒ) سے، وہ اپنے چچا (شیخ محمدحسین سندھیؒ) سے اور وہ شیخ ابوالحسن صغیر (سندھیؒ) سے، وہ شیخ محمدحیات ہندی (سندھیؒ)، وہ (شیخ مخدوم) محمدمعین ہندی (سندھیؒ) اور وہ امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[31] شیخ الہند (مولانا محمودحسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ سے، وہ اپنے والد شیخ ابوسعید دہلویؒ سے، وہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی سے اور وہ امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[32] شیخ الہند (مولانا محمودحسنؒ) روایت کرتے ہیں پانچ مشائخ (شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ، مولانا احمدعلی

محدث سہارنپوریؒ، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، شیخ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی اور شیخ امداداللہ تھانوی مہاجر مکیؒ) سے، یہ تمام حضرات صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے، وہ سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ شیخ محمد عاشق پھلتی سے اور شیخ محمد امین کشمیری (ولی اللّٰہی) سے اور وہ امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(8): تدبر فی القرآن کی دعوت دینے والے (ہزارۂ دوم) کی دوسری صدی کے مجدد شیخ الاجل مولانا (شاہ) عبدالرحیم دہلویؒ کی اسانید

[33] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، وہ صدرالحمید (مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے، وہ اپنے نانا سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد حکیم الہند (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے اور وہ اپنے والد شیخ الاجل مولانا (شاہ) عبدالرحیم دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[34] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، وہ شیخ مخصوص اللہ (دہلویؒ) سے، وہ اپنے تایا سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ شیخ محمد عاشق بن عبیداللہ پھلتی سے، وہ اپنے والد (شیخ عبیداللہ پھلتی) سے اور وہ شیخ الاجل مولانا (شاہ) عبدالرحیم دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تیسرا باب: ہزارۂ دوم میں ہندوستان کے علما میں سے مجددین ائمہ کی اسانید

(ہزارۂ دوم کی پہلی صدی کے ائمہ مجددین درجِ ذیل حضرات ہیں:)

☆ محقق میر زاہد ہروی اکبر آبادیؒ: آپؒ کا انتقال 1101ھ (1690ء) میں ہوا۔

☆ سلطان محی الدین محمد عالم گیرؒ: آپؒ 1028ھ (1619ء) میں پیدا ہوئے۔ وہ 1069ھ (1659ء) میں تختِ سلطنت پر بیٹھے اور ان کا انتقال 1118ھ (1707ء) میں ہوا۔

☆ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ: آپؒ کا انتقال 1067ھ (1656ء) میں ہوا۔

☆ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ: آپؒ کا انتقال 1052ھ (1642ء) میں ہوا۔

☆ امامِ ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ): آپؒ کا انتقال 1034ھ (1624ء) میں ہوا۔

☆ امام الائمہ رضی الدین (خواجہ) محمد باقی (باقی باللہ) دہلویؒ: آپ: کا انتقال 1012ھ (1603ء) میں ہوا۔

فصل(1): محقق علوم عقلیہ وفقیہ میرزاہد اکبرآبادیؒ کی اسانید

[35] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، وہ صدرالحمید (مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے، وہ سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ حکیم الہند (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد شیخ عبدالرحیم (دہلویؒ) سے اور وہ محقق میرزاہد اکبرآبادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(2): حنفی فقہا کے سردار اور ہندوستان کے سلاطین میں سے مثالی شخصیت سلطان محی الدین محمد عالم گیر دہلویؒ، کی اسانید

[36] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ مولانا) مملوک علی (نانوتوی) سے، وہ (شیخ) رشیدالدین (دہلویؒ) سے، وہ سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ حکیم الہند (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد (شاہ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ سلطنت کے محتسب میرزاہد ہرویؒ سے اور وہ سلطان محی الدین محمد عالم گیر دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(3): تحصیلی علوم کے محقق علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی اسانید

[37] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ مولانا) مملوک علی (نانوتوی) سے، وہ (شیخ) رشیدالدین (دہلویؒ) سے، وہ سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ حکیم الہند (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے، وہ معمر محمد سعید لاہوریؒ سے، وہ محمد عارف لاہوریؒ سے اور وہ علامہ (عبدالحکیم) سیالکوٹی سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(4): (ہزارۂ دوم کی) پہلی صدی میں علم حدیث کی بنیاد رکھنے والے مجدد شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اسانید

[38] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ مولانا) مملوک علی (نانوتوی) سے، وہ (شیخ) رشیدالدین (دہلویؒ) سے، وہ (شیخ) رفیع الدین (دہلویؒ) سے، وہ (اپنے والد) حکیم الہند (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد (شاہ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ بھائی ابوالرضا محمد دہلویؒ سے اور وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(5): ہزارۂ دوم میں علومِ ربانیہ کی بنیاد رکھنے والے امامِ ربانی (مجدد الف ثانی) شیخ احمد سرہندیؒ کی اسانید

[39] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، وہ صدرالحمید (مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے، وہ اپنے نانا سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد (شاہ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ شیخ عبداللہ بن محمد باقی دہلویؒ سے اور وہ امامِ ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(6): ہندوستان میں امام ائمۃ التجدید امام رضی الدین محمد باقی کی اسانید

[40] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) اور دیگر حضرات سے، وہ صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے، وہ اپنے نانا سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد (شاہ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ شیخ عبداللہ بن محمد باقی دہلویؒ سے، وہ شیخ حسام الدین دہلویؒ، شیخ الہ داد دہلویؒ، (شیخ) تاج الدین سنبھلی مکی، شیخ رفیع الدین اور شیخ (امامِ ربانی مجدد الف ثانی) احمد سرہندیؒ سے، اور یہ پانچوں حضرات امام رضی الدین (خواجہ محمد باقی باللہ) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ وہ چالیس اسانید ہیں، جن کا یہاں لکھنے کا ہم نے ارادہ کیا ہے۔

اس کا نام ہم نے ''**مقامِ محمود**'' رکھا ہے۔

☆☆☆☆☆

تاریخی سلسلۂ اسناد

برصغیر میں دینی رہنماؤں کا تاریخی تسلسل

''سبیل الرّشاد'' کا اردو ترجمہ

تصنیف و تالیف: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ
ترجمہ و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد

(6) آخری قسط

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی کتاب ''التمهيد لتعريف آئمة التجديد'' کے تیسرے حصے ''سبیل الرّشاد'' کا اُردو ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔ مولانا سندھیؒ نے اس حصے میں ہندوستان کی تاریخ کے بارہ ادوار متعین کرتے ہوئے دینی علوم و معارف اور ان کے سیاسی اثرات و نتائج کے تاریخی تسلسل کی نشان دہی کی ہے۔ خاص طور پر آئمہ مجددین کے تجدیدی کردار کے مختلف پہلوؤں اور ان کے سلسلۂ اسناد کے تاریخی تسلسل کی وضاحت کی ہے۔ اور علوم و معارف کے میدان میں جن علمائے ربانیین، محدثین، مفسرین اور بلند مرتبت سیاسی رہنماؤں نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور تجدیدی کردار ادا کیا، اس کو پورے تسلسل اور تاریخی ترتیب کے ساتھ مولانا سندھیؒ نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

یہ کتاب ایک مقدمے اور آٹھ اَقسام پر مشتمل ہے۔ ہر ایک ''قِسم'' کے ذیل میں ابواب ہیں۔ اور ہر ''باب'' کے ذیل میں انواع کا تذکرہ ہے۔ اور پھر ہر ''نوع'' کئی فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس طرح اختصار کے ساتھ اس کتاب میں ولی اللّٰہی مشائخ کے تاریخی تسلسل اور ان کے سلسلۂ سند کی وضاحت کی ہے۔ اور فقہا، محدثین، مفسرین، صوفیا، علمائے ربانیین، فلاسفہ و حکما وغیرہ کے تمام سلسلہ ہائے اسناد کا تسلسل بیان کیا گیا ہے۔ یوں یہ کتاب سینکڑوں علما و مشائخ اور مجتہدین کی سوانح کا مرقع ہے۔ اور ہندوستان میں اسلام کے غلبے کے تیرہ سو سال کے تاریخی تسلسل کی نشان دہی کرتی ہے۔

''سبیل الرشاد'' کی پہلی پانچ قسموں کا ترجمہ گزشتہ پانچ اقساط میں شائع کیا جاچکا ہے۔ اس شمارے میں اس سلسلے کی آخری قسط میں کتاب کی چھٹی، ساتویں اور آٹھویں ''قسم'' کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جس میں پہلے دور (آغازِ ہجرت/ 622ء تا 35ھ/ 656ء) سے لے کر تیسرے دور (193ھ/ 858ء تا 412ھ/ 1021ء) کا تاریخی تجزیہ اور ان ادوار کے فقہا، محدثین اور مجتہدین کی اسانید کا بیان ہے۔

چھٹی قسم: تیسرے دور: 193ھ (858ء) تا 412ھ (1021ء) کے علما کی اسانید

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں:

(خلیفہ ہارون الرشید کے انتقال 193ھ/ 858ء کے بعد امین الرشید اور مامون الرشید کے درمیان پیدا ہونے والے) فتنوں کے بعد اس دور کے خلفا میں مامون (الرشید کے زمانۂ خلافت 198ء/ 813ء تا 218ء/ 833ء) سے لے کر (خلیفہ) قادر باللہ (اسحاق بن مقتدر کے زمانۂ خلافت 381ھ/ 991ء تا 422ھ/ 1031ء) تک دس خلفا ہیں، جنھوں نے دریائے سندھ کے پار کے شہروں اور علاقوں پر حکومت کی ہے۔ اس لیے دین اسلام کے حوالے سے ان علاقوں کے رہنے والے لوگوں میں، بعد میں مسلمان ہونے والی شمال مغربی ہندوستان کی اقوام سے زیادہ دینی رسوخ پایا جاتا ہے۔ نیز یہی وجہ ہے کہ خلافت کے مراکز میں اقتدار حاصل کرنے والی عجمی (ایرانی) اقوام کے غلبے سے ہندوستانی مسلمان بھی بہت متاثر رہے ہیں۔

(علامہ شیخ محمد) خضری (بک) لکھتے ہیں:

> ''اہل خراسان اور بعد میں مسلمان ہونے والے موالی (عجمی اقوام) کے ہاتھوں عباسیوں کی حکومت اور سلطنت قائم ہوئی۔ اسی سبب سے عباسی دورِ خلافت میں ان لوگوں کو ایسا بڑا مرتبہ اور مقام حاصل ہوا، جو کسی طرح بھی عربوں کے مقام سے کم نہ تھا۔ اس لیے کہ (عباسی) حکومت کی عظمت اور شان انھی کی وجہ سے قائم تھی۔ چناں چہ اس دور میں بڑے رہنما اور قائدین اہل خراسان اور اہل عرب کے موالی میں سے ہوئے ہیں۔
>
> مامون کی حکومت اور خلافت کا قیام اہل خرسان کے ہاتھوں ہوا۔ اس لیے اس حکومت میں ان کی عظمتِ شان میں اضافہ ہوا۔ جتنی ان کی عظمتِ شان میں اضافہ ہوا، اتنی ہی عربوں کے غلبے میں کمی ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس دور میں کوئی ایسا قابل ذکر عرب رہنما اور مشہور قائد نہ رہا جیسا کہ منصور، مہدی اور (ہارون) الرشید کے عہد میں تھا۔ اس دور میں عسکری قوتوں کو کنٹرول کرنے والے تمام بڑے لوگ صرف اہل خراسان میں سے تھے اور انھیں پر بہت زیادہ اعتماد کیا جانے لگا۔ البتہ اس دور میں ماوراء النہر کے علاقوں میں بسنے والے ترکوں میں سے کچھ عناصر ایسے تھے کہ جن میں سے چند قائدین کے نام سامنے آتے ہیں۔ حکومت کے عسکری لشکروں کی یہ حقیقت اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ اس دور میں عرب خلافت اور حکومت محض نام کی رہ گئی تھی۔'' انتھیٰ (1)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں:

میرے نزدیک یہ بات ثابت شدہ ہے کہ (اس دور میں) ''خلقِ قرآن'' (یعنی قرآن اللہ کی مخلوق ہے یا اس کا کلام ہے) (2) کا جو مسئلہ پیدا ہوا تھا، وہ دراصل عجمی ذہنیت کا عرب ذہنیت کے ساتھ ٹکراؤ کا معاملہ تھا۔ اس کے

نتیجے میں دینی حوالے سے عربی زبان کو مقدم سمجھنے اور اس کی برتری کا رعب لوگوں کے دلوں سے ختم ہو گیا۔ اس دور میں ان لوگوں نے ایسے اصولوں کی بنیاد رکھ دی، جن سے واضح طور پر یہ نتیجہ ظاہر ہوتا تھا کہ (عربی زبان پر مشتمل) قرآنی الفاظ کی نسبت، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف حقیقت پر مبنی نہیں ہے، بلکہ ان پر ''کلام اللّٰہ'' کے لفظ کا اطلاق مجازی طور پر کیا جانا چاہیے۔ ''خاتم فقهاء العرب'' (عربوں کے آخری فقیہ) امام احمد بن حنبلؒ نے اس نظریے کا بڑی شدت سے انکار کیا، جب کہ اہلِ عجم سے تعلق رکھنے والے بڑے محدثین جیسا کہ امام یحیٰی بن معینؒ، علی ابن مدینیؒ، اور امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ وغیرہ بھی اس مسئلے سے خاصے متأثر ہوئے۔

اگر آپ چاہیں تو حنفی اور شافعی فقہا کے باہمی اختلافات کو بھی عرب وعجم کے اس باہمی جھگڑے کے تناظر میں دیکھ سکتے ہیں۔ ورنہ ائمہ مجتہدین امام مالک و (امام) شافعی اور امام ابوحنیفہ، (امام سفیان) ثوری اور (امام) ابویوسف کے مسالک کے درمیان باہمی قربت ہونے کے باوجود (اس دور میں حنفیوں اور شافعیوں کے درمیان پیدا ہونے والے) اس اختلاف وافتراق کی شدت کا اور کوئی معنیٰ نہیں ہے۔

واللّٰه المُوَفّق و الهادی. (اللہ ہی توفیق اور ہدایت دینے والا ہے)

باب (1): ''نسبت'' کے حصول کے قوانین کی روشنی میں

زہد وتقویٰ کے اعمال منضبط کرنے والے ائمہ مرشدین کی اسانید

امام ولی اللہ دہلویؒ ''القول الجمیل'' میں لکھتے ہیں:

''صوفیا کے تمام طریقوں ــــ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، مجددیہ ــــ کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ انسانی نفس میں ایک خاص ہیئت اور کیفیت پیدا ہو جائے، جسے صوفیا کی اصطلاح میں ''نسبت'' کہا جاتا ہے۔ اور اطمینان، سکینت اور نور کے ذریعے اللہ عزوجل کے ساتھ ربط پیدا ہو جائے۔

(نسبت کی حقیقت اور اس کی اقسام)

اس ''نسبت'' کی حقیقت ایک ایسی کیفیت کا نام ہے، جس میں ملائکہ سے مشابہت (تشبّه بالملكوت) اختیار کرنے یا عالم جبروت کی طرف متوجہ ہونے (تطلّع إلى الجبروت) کی وجہ سے انسان کے نفس ناطقہ میں سرایت کر جاتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ طالب جب عبادات، طہارات اور ذکر و اذکار پر برابر عمل کرتا رہے تو اس کے ''نفسِ ناطقہ'' کے اندر فرشتوں کے مشابہ ایک مستقل صفت قائم ہو جاتی ہے۔ اور ''عالمِ جبروت'' کی طرف ''توجہ'' کرنے سے ایک راسخ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس نسبت کی دو شاخیں ہیں:

(ا) فرشتوں کے مشابہ مستقل صفت۔ (تشبّه بالملكوت)

(۲) ''عالمِ جبروت'' کی طرف ''توجہ''۔ (تطلّع إلى الجبروت)

اور ان میں سے ہر ایک شاخ کی بہت سی قسمیں ہیں:

(الف) ایک عشق و محبت کی ''نسبت'' ہے، جس میں اللہ تعالیٰ سے محبت کی صفت دل میں راسخ ہو جاتی ہے۔

(ب) دوسری نسبت ''نفس شکنی'' یعنی نفس کی خواہشات کو ختم کرنے اور اس کی لذتوں سے مکمل برأت ظاہر کرنے کی ہے۔ میرے والدِ بزرگوار اس ''نسبت'' کو ''نسبتِ اہل بیت'' کا نام دیا کرتے تھے۔

(ج) تیسری نسبت ''مشاہدہ'' کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مجردِ محض یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف ہر دم متوجہ رہنے کا ملکہ حاصل ہو جائے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری کے بہت سے رنگ ہیں۔ ان میں سے کبھی تو ''عشق و محبت'' کا رنگ غالب ہوتا ہے اور کبھی ''نفس شکنی'' کا رنگ اثر دکھاتا ہے۔ کبھی ان کے علاوہ ''یادداشت'' کا رنگ ہوتا ہے۔ جب کبھی طالب کے ''نفسِ ناطقہ'' میں اس رنگ کا مستقل ملکہ پیدا ہو جاتا ہے تو یہ ملکہ ''نسبت'' کہلاتا ہے۔'' (3)

(نسبت کے حصول کا طریقہ اور نسبتِ سکینت)

شیخ امام (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) مزید فرماتے ہیں:

''تمھیں کہیں یہ گمان نہ ہو کہ یہ ''نسبت'' صرف ان اشغال و وظائف ہی کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔''

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: ان سے مراد سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، مجددیہ کے وہ اشغال و وظائف ہیں، جن کی تفصیلات امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''القول الجمیل'' میں بیان فرمائی ہیں۔

امام (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) فرماتے ہیں:

''ہاں! اس میں شک نہیں کہ اس ''نسبت'' کے حصول کا ایک طریقہ یہ اشغال و وظائف بھی ہیں، لیکن اس کے علاوہ اس کے حصول کے اور طریقے بھی ہیں۔ میرے نزدیک اس مسئلے میں غالب رائے یہ ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ ان اشغال و وظائف کے علاوہ ''سکینت کی نسبت'' دوسرے طریقوں سے حاصل کرتے تھے۔

ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ خلوت میں پورے خضوع و حضور کے ساتھ نمازیں پڑھتے، ذکر و تسبیح کرتے اور طہارت پر برابر قائم رہتے۔ موت، جو دنیاوی لذتوں کو مٹانے والی ہے، اُس کو ہر دم یاد کرتے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فرماں برداروں کے لیے ثواب اور نافرمانوں کے لیے جو عذاب مقرر کر رکھا ہے، اُس پر دھیان دینے سے مادی لذتوں سے اُن کی طبیعت اُچاٹ ہو جاتی۔ اور دل ان سے بے تعلق ہو جاتا۔ چناں چہ اس طریق سے اُن میں یہ ''نسبت'' پیدا ہو جاتی تھی۔

اس کے حصول کا ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ قرآنِ مجید کی برابر تلاوت کرتے۔ اور اس کے معانی و

مطالب میں غور و تدبر فرماتے۔ نیز وعظ و نصیحت کی باتیں اور دل کو نرم کرنے والی احادیث سنتے۔ الغرض وہ ان چیزوں کو ایک مدتِ دراز تک باقاعدگی سے کرتے۔ اس سے اُن کے اندر ایک مستقل ملکہ اور ایک نفسی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ وہ اس مستقل ملکہ اور اس نفسی کیفیت کی آخر عمر تک برابر حفاظت کرتے۔

یہ ہے وہ کیفیت، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے مشائخ کے ذریعے بطورِ تسلسل اور وراثت کے چلی آتی ہے۔ اب اس کیفیت کے برحق ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ البتہ یہ اَور بات ہے کہ اس کیفیت کے کئی رنگ ہیں۔ اور اس کے حصول کے طریقے بھی کئی ہیں۔ (4)

میں نے اپنے والد بزرگوار (شاہ عبدالرحیم دہلوی) قدس سرہٗ کو ایک طویل واقعہ بیان کرتے سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ میں نے خواب میں حضرات حسن، حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو دیکھا۔ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اپنی ''نسبت'' کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ وہی ''نسبت'' ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ لوگوں کے ہاں ہوتی تھی۔ اس پر حضرت علیؓ نے مجھے اپنی ''نسبت'' میں گہری توجہ کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے بھی اس میں پورا غور و تامل کیا۔ پھر فرمایا کہ: ''ہاں! ہاں! بغیر کسی فرق کے یہ وہی نسبت ہے۔''

(صحابہؓ کی نسبتِ سکینت کے بلند مرتبہ احوال)

جو طالب ''نسبتِ سکینہ'' پر برابر قائم رہے، اُس پر وقتاً فوقتاً بڑے بڑے بلند مرتبہ احوال و کوائف وارد ہوتے رہتے ہیں۔ طالب کو چاہیے کہ وہ ان مواقع کو غنیمت سمجھے۔ اور جان لے کہ یہ احوال، اس کی طاعات و عبادات کے قبول ہونے اور باطنِ نفس اور سویدائے دل (دل کی گہرائی) میں ان کے مؤثر ہونے کی علامات ہیں۔

(الف: اطاعتِ خداوندی کی حالت)

ان بلند مرتبہ احوال میں سے ایک یہ ہے کہ طالب سب چیزوں پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کو ترجیح دے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے اُس کے دل میں غیرت کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

اس ضمن میں امام مالکؒ نے ''مؤطا'' میں عبداللہ بن ابوبکرؓ سے روایت کیا ہے کہ:

''ایک دن ابوطلحہ انصاریؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک خوش رنگ چڑیا اُڑی۔ اور وہ برابر اِدھر اُدھر چکر لگاتی اور باغ کے گھنے درختوں میں سے نکلنے کی جگہ تلاش کرتی رہی۔ ابوطلحہؓ کو یہ منظر بہت پسند آیا اور انھوں نے نماز ہی میں اس چڑیا کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ ایک بار نظر اُٹھاتے۔ اس چڑیا کو دیکھ لیتے۔ پھر نماز میں مصروف ہو جاتے۔ اس دوران وہ بھول گئے کہ انھوں نے کتنی رکعتیں

پڑھیں۔ اس پر انھوں نے سوچا کہ نماز میں یہ خلل میرے اس مال یعنی باغ کی دل کشی کی وجہ سے ہوا ہے۔ چناں چہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باغ میں اُن کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا، وہ آپؐ سے بیان کیا۔ اور کہا کہ: یارسول اللہ! میں یہ باغ اللہ کی راہ میں صدقہ دیتا ہوں۔ آپ اسے جہاں چاہیں، خرچ کریں۔'' (5)

قرآن میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بھی اسی حالت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ ایک دفعہ اپنے گھوڑوں کو دیکھنے میں اس قدر مصروف تھے کہ نماز قضا ہوگئی۔ اس پر آپ نے غیراللہ سے تعلق منقطع کرنے کے لیے فَطَفِقَ مَسۡحًاۢ بِالسُّوۡقِ وَالۡاَعۡنَاقِ ﴿۳۳﴾ (33:38) گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنے کا حکم دیا۔

(ب: خوفِ خداوندی کی حالت)

اِن بلند مرتبہ احوال میں سے ایک حال، اللہ کا خوف بھی ہے۔ اور اللہ کا یہ خوف اس طرح ہونا چاہیے کہ اس کا اثر بدن اور جوارح (اعضا) پر ظاہر ہو۔

حُفّاظِ حدیث نے اصول (صحاح ستہ) میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

''سات شخص ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا۔'' حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ان اشخاص کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ: ''ان میں سے ایک شخص وہ ہوگا، جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔'' (6)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک قبر پر کھڑے ہوئے اور اتنا روئے کہ اُن کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔'' (7)

نیز احادیث میں مروی ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کی نماز پڑھتے تھے تو آپؐ کے سینۂ مبارک سے جوشِ گریہ کی وجہ سے ایسی آواز آتی تھی، جیسے کہ آگ کے اُوپر دیگ چڑھی ہو۔'' (8)

(ج: سچے خواب دیکھنا)

ان احوال میں سے ایک رؤیائے صالحہ (سچے خواب) بھی ہے۔ اس سلسلے میں حفاظِ حدیث ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک مردِ صالح کا سچا خواب دیکھنا نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔'' (9)

نیز آپؐ نے فرمایا کہ:

''میرے بعد نبوت تو ختم ہو جائے گی۔ البتہ ''مبشرات'' کا سلسلہ برابر قائم رہے گا۔'' صحابہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! ''مبشرات'' کیا ہیں؟ فرمایا کہ: ''رؤیائے صالحہ (سچے خواب)، جو ایک نیکوکار آدمی خود دیکھتا ہے یا کوئی دوسرا اُس کے لیے دیکھتا ہے۔ یہ رؤیائے صالحہ نبوت کے چھیالیسویں حصے میں سے ایک ہے۔'' (10)

چناں چہ یہی تفسیر ہے قرآن مجید کی اس آیت لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (64:10) کی۔ یعنی بشارت ہے مؤمنوں کے لیے اس دنیا کی زندگی میں۔ (11)

رؤیائے صالحہ (سچے خوابوں) سے مراد یہ ہے کہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، یا بہشت و دوزخ کو، یا نیک لوگوں اور انبیا کو، یا متبرک مقامات، مثلاً خانۂ کعبہ، مسجد نبویؐ یا بیت المقدس کو خواب میں دیکھے۔ یا وہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کو خواب میں دیکھے اور وہ بعد میں ویسے ہی رونما ہوں۔ یا وہ گزرے ہوئے واقعات کو بعینہٖ اُسی شکل میں دیکھے، جس شکل میں کہ وہ وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔ یا وہ انوار کو خواب میں دیکھے۔ یا پاکیزہ چیزوں کو، جیسے دودھ کا پینا اور شہد اور گھی کا کھانا وغیرہ ہیں۔ اور جن چیزوں کا ذکر کتبِ حدیث کے ''بابِ رؤیا'' میں آچکا ہے، خواب میں دیکھے۔

یا وہ فرشتوں کو دیکھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ:

''ایک شخص ایک رات قرآن پڑھ رہا تھا کہ ایک سائبان ظاہر ہوا، جس میں چراغوں کی روشنیاں تھیں.........الخ'' (12)

(د: سچی فراست اور شعور)

ان احوال میں سے سچی فراست اور واقعہ کے مطابق مناسب بات کا شعور حاصل جانا بھی ہے۔

حدیث میں آیا ہے:

''مؤمن کی فراست سے بچو، کیوں کہ مؤمن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔'' (13)

(ھ: دعا کی قبولیت)

ان احوال میں سے ہی دعا کا قبول ہونا اور طالب اپنی پوری ہمت اور توجہ سے جو کچھ اللہ سے مانگ رہا ہو، اُس کا ظاہر ہونا بھی ہے۔ اسی کی طرف اُس حدیث میں اشارہ ہے، جس میں آپؐ فرماتے ہیں:

''بعض غبار آلود، پریشان حال اور پھٹے پرانے کپڑوں والے لوگ ہوتے ہیں کہ کوئی ان کی پروا نہیں کرتا، لیکن اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ یقینی طور پر اُن کی قسم پوری کر دیتا ہے۔'' (14)

الغرض یہ اور اس سے ملتے جلتے جو اَور احوال و واقعات ہیں، یہ سالک کے ایمان کی صحت، اس کی طاعات و عبادات کی قبولیت اور اس کے باطن میں نور کے سرایت کر جانے پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے طالب کو چاہیے کہ وہ ایسے مواقع کو ہاتھ سے جانے نہ دے اور انھیں غنیمت سمجھے۔

(فنا و بقا کا مقام)

اس ''نسبت'' کے حصول کے بعد اس سے ایک اور بلندتر مقام آتا ہے۔ اور وہ مقام ''فناوبقا'' یعنی اللہ کے وجود میں فنا ہوکر، اُس کے وجود کے ساتھ بقا حاصل کرنا ہے۔

میرے نزدیک یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ مقامِ فنا و بقا کی کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے مشائخ تک سندِ متصل کے ذریعے نہیں پہنچی۔ بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک عطا ہے، جس کو وہ چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے بغیر وراثت کے عطا کر دیتا ہے۔'' انتھٰی (15)

یہ ہے وہ آخری بات، جو ہم امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحریر میں سے یہاں نقل کر رہے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: چوتھے دور کے ائمہ کے پیش نظر (نسبت کے حصول کا) یہی وہی عروج رہا ہے۔ ہم نے ''تمہید'' کی پچھلی قسم میں اس کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

تیسرے دور میں ائمہ کی توجہ اس بات کی طرف رہی کہ وہ زہد و تقویٰ کے حصول کے لیے اعمال کی ایسی ترتیب اور ان میں ایسی نئی تنظیم پیدا کریں، جس سے بہت تھوڑے وقت میں ''نسبت'' کا حصول ممکن ہو جائے۔

اس دور میں اس فن کے امام سید الطائفہ امام ابوالقاسم جنید بغدادیؒ اور سلطان العارفین امام ابویزید بسطامیؒ ہیں۔ اور ان دونوں حضرات اپنی نسبت کے سلسلے کو امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق تک پہنچاتے ہیں۔

رضی اللّٰہ عنھم. (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو)

پہلی نوع: طریقت میں عقل و شعور کے حامل لوگوں کے امام

(سید الطائفہ) امام ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کی اسانید

فصل (1): سیدنا امام محی الدین (شیخ) عبدالقادر جیلانیؒ کی اسانید

امام محی الدین ابومحمد (شیخ) عبدالقادر جیلانیؒ روایت کرتے ہیں امام، فقیہ، صوفی، (شیخ) ابوسعید مبارک بن علی مخزومیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن علی بن محمد بن یوسف قرشیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفرح یوسف طرطوسیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفضل عبدالواحد تمیمیؒ (16) سے، وہ اپنے والد شیخ عبدالعزیز تمیمیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر محمد بن دُلف شبلیؒ سے اور وہ سید الطائفہ (حضرت شیخ) جنید (بن محمد بن جنید) بغدادیؒ (17) سے روایت کرتے ہیں۔

جہاں تک صحبت کے طریقے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں سیدنا امام ابومحمد (شیخ) عبدالقادر جیلانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) یوسف بن ایوب ہمدانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی فارمدیؒ سے، وہ امام ابوالقاسم قشیریؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی دقاقؒ سے، وہ (شیخ) ابوالقاسم نصرآبادیؒ اور (شیخ) ابوالحسین حصریؒ سے، یہ دونوں حضرات (شیخ) ابوبکر شبلیؒ سے اور وہ سیدالطائفہ (شیخ) جنید بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابوعلی فارمدیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالقاسم جرجانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعثمان مغربیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی کاتبؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی رودباریؒ سے اور وہ امام ابوالقاسم جنید بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تکمیل فصل (1): امام احمد بن حنبل تک فقہا کے سلسلۂ صحبت کا تذکرہ

سیدنا شیخ الاسلام قطب عبدالقادر جیلانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) مبارک بن علی مخزومیؒ سے، وہ (شیخ) ابوجعفر عبدالخالق بن عیسیٰؒ سے اور وہ (شیخ) ابویعلیٰ فراءؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام (شیخ عبدالقادر جیلانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالخطاب محفوظ بن خطاب کلوئیؒ اور (شیخ) ابوالوفا علی بن عقیل بغدادیؒ سے، یہ دونوں حضرات نے (شیخ) امام ابویعلیٰ فراءؒ سے، وہ (شیخ) ابوعبداللہ حسن بن علی بن مروان بن حامدؒ سے، وہ (شیخ) ابوعبداللہ بن بطہ عکبریؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر عبدالعزیز بن غلام الخلالؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر مروزیؒ، (شیخ) حرب کرمانیؒ، (شیخ) حنبل، (شیخ) صالح اور (شیخ) عبداللہؒ سے اور یہ تمام حضرات امام احمد بن (محمد بن) حنبل (18) — اللہ ان سے راضی ہو — سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): ''کشف المحجوب'' کے مصنف امام علی ہجویری لاہوریؒ کی اسانید

امام علی (بن عثمان) ہجویری لاہوریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالفضل ختلیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن حصریؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر شبلیؒ سے اور وہ سیدالطائفہ (امام جنید بغدادیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام علی (بن عثمان) ہجویری (لاہوریؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) امام ابوسعید بن ابوالخیرؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفضل سرخسیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالنصر سراجؒ سے، وہ (شیخ) ابومحمد مرتعشؒ اور (شیخ) جعفر خلدیؒ سے اور یہ دونوں حضرات سیدالطائفہ (امام جنید بغدادیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): امام شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہرویؒ کی اسانید

شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہرویؒ روایت کرتے ہیں امام یحییٰ بن عمار شیبانیؒ سے، وہ امام ابوعبداللہ محمد بن حنیف شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) رویمؒ سے اور وہ سیدالطائفہ (شیخ) جنید بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): امام ابو حامد محمد غزالیؒ کی اسانید

امام (ابو حامد محمد) غزالیؒ (19) روایت کرتے ہیں امام الحرمین عبدالملک (جوینیؒ) سے، وہ اپنے والد شیخ ابو محمد عبداللہ بن یوسف جوینیؒ سے، وہ امام ابو طالب مکی حنفیؒ سے، وہ (شیخ) ابو بکر شبلیؒ سے اور وہ (سید الطائفہ امام) ابوالقاسم (شیخ) جنید بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): امام عبدالقاہر سہروردیؒ کی اسانید

امام عبدالقاہر سہروردیؒ روایت کرتے ہیں امام احمد غزالیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر نساجؒ سے، وہ (شیخ) ابوالقاسم جرجانیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوعثمان مغربیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی رودباریؒ (20) سے اور وہ ابوالقاسم (شیخ جنید) بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام عبدالقاہر سہروردیؒ روایت کرتے ہیں اپنے چچا (شیخ) عمر بن محمد بن عبداللہ سہروردیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد بن عمویہ (عبداللہ) سہروردیؒ سے، وہ (شیخ) احمد دینوریؒ سے، وہ (شیخ) ممشاد دینوریؒ (21) سے اور وہ (سید الطائفہ) ابوالقاسم (شیخ جنید) بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): امام شہاب الدین سہروردیؒ کی اسانید

امام شہاب الدین (عمر بن محمد کبریٰ) سہروردیؒ (22) روایت کرتے ہیں اپنے چچا (شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ) سے، وہ (شیخ) فرج زنجانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالعباس نہاوندیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) رویمؒ سے، وہ امام ابوالقاسم (شیخ جنید) بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (7): امام ابوعبدالرحمٰن (محمد بن حسین) سلمی (نیشاپوریؒ) کی اسانید

امام علی (بن عثمان) ہجویری (لاہوریؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ امام) ابوسعید بن ابوالخیر سے، وہ (شیخ) ابوعبدالرحمٰن (محمد بن حسین) سلمی (نیشاپوریؒ) سے، وہ (شیخ) ابوالقاسم نصر آبادیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر شبلیؒ سے اور وہ ابوالقاسم (شیخ جنید) بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (8): امام ابوبکر محمد بن ابراہیم کلاباذیؒ کی اسانید

(شیخ) محمد بن ابو ابراہیم کلاباذیؒ (23)، (شیخ) محمد بن فضل کماریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) محمد بن ابراہیم کلاباذیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن غالبؒ سے، وہ (شیخ) ابوعبداللہ محمد بن خفیفؒ سے، وہ (شیخ) رویمؒ سے اور وہ امام ابوالقاسم (شیخ) جنید بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) محمد بن ابراہیم کلاباذیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) فارس بن علی بغدادیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعمرو سے اور وہ امام ابوالقاسم (شیخ) جنید بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع: جذب و سُکر والوں کے امام، امام ابویزید بسطامیؒ کی اسانید

امام محی الدین (شیخ) عبدالقادر اور امام عبدالخالق غجدوانیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) یوسف بن ایوب ہمدانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی فارمدیؒ سے اور وہ امام ابوالحسن خرقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابوحامد غزالیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعلی فارمدیؒ سے اور وہ امام ابوالحسن خرقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہرویؒ روایت کرتے ہیں امام ابوالحسن علی بن جعفر خرقانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالمظفر طوسیؒ سے، وہ (شیخ) ابویزید عشقیؒ سے، وہ شیخ محمد مغربیؒ سے اور وہ سلطان العارفین ابویزید (شیخ) طیفور بسطامیؒ (24) سے روایت کرتے ہیں۔

تیسری نوع: امام ابواسحاق شامیؒ کی اسانید

طریقۂ چشتیہ کی دریافت کرنے والے امام محمد بن ابواحمد چشتی اپنے والد (شیخ) امام ابواسحاق شامیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

باب (2): امام ابوحنیفہؒ سے نسبت رکھنے والے فقہا محققین اور مجتہدین منتسبین کی اسانید

پہلی نوع: امام ابوالحسن عبیداللہ بن حسین کرخیؒ کی اسانید

فصل (1): امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوریؒ کی اسانید

(شیخ) ابوحفص نسفیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) خلف بن احمد تلجیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعبداللہ محمد بن علی دامغانیؒ سے اور وہ امام ابوالحسین (احمد بن محمد) قدوریؒ (25) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازیؒ کی اسانید

(شیخ) محمد بن علی دامغانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حسین صمریؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر محمد بن موسیٰ خوارزمیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوبکر (جصاص) رازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابوزید دبوسیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوجعفر استروشنیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوبکر جصاص رازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام ابوالحسین احمد بن محمد) قدوریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن یحییٰ جرجانیؒ سے اور وہ امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): (شیخ) عتبہ (بن خثیمہ بن محمد ابوالہیثم نیساپوریؒ) کی اسانید

(شیخ) ابوعبداللہ دامغانی روایت کرتے ہیں صاعد بن محمد سے اور وہ (شیخ) عتبہ (بن خثیمہ بن محمد ابوالہیثم نیساپوریؒ) (26) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابومحمد ناصحیؒ، (شیخ) عتبہ (بن خثیمہ بن محمد ابوالہیثم نیشاپوریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): (شیخ) ابومحمد عبداللہ بن عمر اکفانیؒ کی اسانید

(شیخ امام ابوالقاسم محمود بن عمر جاراللہ) زمخشریؒ اور (شیخ ابوحفص) عمر نسفیؒ دونوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) ابومنصور احمد بن محمد بن احمد حارثیؒ سے، وہ (شیخ) ابونصر محمد بن علی بن حسین سرخسیؒ سے اور وہ (شیخ) ابومحمد عبداللہ بن عمر اکفانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): امام ابوالحسن (عبیداللہ بن حسین) کرخیؒ اور (شیخ) ابوطاہر دباسؒ کی اسانید

(شیخ) ابومحمد اکفانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوبکر احمد بن محمد دامغانیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوالحسن (عبیداللہ بن حسین) کرخیؒ (27) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابوبکر خوارزمیؒ اور (شیخ) ابوعبداللہ جرجانیؒ دونوں حضرات روایت کرتے ہیں امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ سے اور وہ (امام) ابوحسن (عبیداللہ بن حسین) کرخیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عتبہ (بن خثیمہ بن محمد ابوالہیثم نیشاپوریؒ) روایت کرتے ہیں قاضی الحرمین (شیخ) احمد بن محمد نیشاپوری سے، وہ (شیخ) ابوطاہر (محمد بن محمد) دباسؒ (28) اور امام ابوالحسن (عبیداللہ بن حسین) کرخیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع: امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ کی اسانید

فصل (1): امام ابوعبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی سبذمونیؒ کی اسانید

شمس الائمہ حلوائیؒ، (شیخ) جعفر مستغفریؒ اور (شیخ) محمد بن علی بن حیدر زاہدیؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعلی نسفیؒ سے اور وہ (شیخ) محمد بن فضل کماریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابوزید دبوسیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوجعفر استروشنیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوبکر محمد بن فضل

کماریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) رئیس ابوعلی ابن سیناؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوبکر احمد بن عبداللہؒ سے اور وہ (شیخ) محمد بن فضل کماریؒ روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابراہیم بن اسماعیل صفارؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ اسماعیل صفارؒ) سے، وہ (شیخ) محمد بن فضل کماریؒ سے اور وہ (شیخ) استاذ (امام ابوعبداللہ بن محمد بن یعقوب) حارثی سندمونیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ جعفر) مستغفریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حافظ ابونصر احمد بن محمد بن حسین کلاباذی بخاریؒ سے اور وہ (شیخ امام ابوعبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثیؒ) سبذمونیؒ (29) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(2): امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ کی اسانید

استاذ (شیخ امام ابوعبداللہ بن محمد بن یعقوب) حارثی سندمونی روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوطالب سعید بن محمد بردعیؒ سے اور وہ امام ابوجعفر طحاویؒ (30) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابومحمد اکفائیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوبکر احمد بن محمد دامغانیؒ سے اور وہ امام ابوجعفر طحاویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) شمس الائمہ حلوائیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوبکر محمد بن عمر بن حمدانؒ سے، وہ (شیخ) ابوابراہیم محمد بن سعید ترمذیؒ سے اور وہ (شیخ امام) ابوجعفر طحاویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تیسری نوع: امام ابومنصور (محمد بن محمد بن محمود) ماتریدیؒ کی اسانید

فخر الاسلام (علی بن محمد) بزدویؒ اور صدرالاسلام بزدویؒ دونوں روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) محمد بن حسین بن عبدالکریم (بزدویؒ) سے اور وہ اپنے دادا (شیخ) عبدالکریم بن موسیٰ بزدویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح صدر الاسلام بزدویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) اسماعیل بن صادق بن عبداللہؒ سے، وہ (شیخ) عبدالکریم بن موسیٰ بزدویؒ سے اور وہ امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چوتھی نوع: امام ابوجعفر محمد بن عبداللہ ہندوانیؒ کی اسانید

(شیخ) اسماعیل صفارؒ اور صدر الاسلام بزدویؒ دونوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) ابویعقوب یوسف سیاریؒ، وہ (شیخ) ابواسحاق حاکم نوقدیؒ سے اور وہ (امام ابوجعفر محمد بن عبداللہ) ہندوانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) علی اخسیکثیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) لقمان بن حکیم بن فضلؒ سے وہ (شیخ) ابواللیث سمرقندیؒ سے اور وہ امام ابوجعفر (محمد بن عبداللہ) ہندوانیؒ (31) سے روایت کرتے ہیں۔

ساتویں قسم: دوسرے دور: 92ھ (711ء) تا 193ھ (809ء) کے علما کی اسانید

(مولانا سندھیؒ اسی کتاب کے مقدمے میں اس دور کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں اسلام کے دوسرے دور کا آغاز ولید بن عبدالملک (اموی) کے زمانۂ خلافت میں امیر محمد بن قاسم ثقفیؒ کی ہندوستان آمد 92ھ/ 711ء سے شروع ہوتا ہے اور قریش کے بارہ خلفا میں سے آخری خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے انتقال 193ھ/ 809ء تک کا زمانہ دوسرا دور ہے۔'')

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ:

اگر آپ چاہیں تو اس دور کا آغاز دورِ اول کے آخر 35ھ (656ء) سے شروع کرکے اس کا اختتام 193ھ (809ء) تک کرسکتے ہیں۔ ایسی صورت میں پہلے دور میں خلفائے راشدین:

[1] (حضرت) ابوبکر (صدیق)

[2] (حضرت) عمر (فاروق)

[3] (حضرت) عثمان (غنی رضی اللہ عنہم) ہیں۔

دوسرے دور کے خلفا میں امیر المؤمنین (حضرت) علیؓ بن ابی طالب سے لے کر (ہارون) الرشید تک نو خلفا بنتے ہیں، ان میں درجِ ذیل چار خلفا بنوہاشم میں سے ہیں:

[4] (حضرت) علیؓ بن ابی طالب (واقعۂ) تحکیم تک

[5] (خلیفہ) منصور (عباسی)

[6] (خلیفہ) مہدی (عباسی)

[7] (خلیفہ ہارون) الرشید (عباسی)

اور درجِ ذیل پانچ خلفا بنوامیہ سے ہیں:

[8] (حضرت امیر) معاویہ (ابن ابی سفیانؓ، حضرت حسنؓ سے) صلح کے بعد

[9] (خلیفہ) عبدالملک بن (مروان، حضرت عبداللہ) ابن زبیرؓ کے بعد

[10] (خلیفہ) ولید بن عبدالملک (اموی)

[11] ان کے بھائی (خلیفہ) سلیمان بن عبدالملک (اموی)

[12] (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیز (اموی)

باقی زمانہ فتنے اور انتشار کے ایام ہیں، اگرچہ اُن میں کچھ دن باقی دنوں سے اچھے بھی رہے ہیں۔

ان بارہ خلفا پر بخاریؒ اور مسلمؒ میں روایت کردہ حدیث (**لا یزال ھٰذا الدین عزیزًا منیعًا إلٰی إثنی عشر خلیفةً کلّھم من قریش** ۔ ''یہ دین بارہ خلفا تک طاقت ور اور غالب رہے گا۔ یہ تمام خلفا قریش میں سے

ہوں گے'') (32) کے مطابق غلبۂ دین کا وعدہ پورا ہوگیا۔ اس حدیث کی شرح میں یہی رائے زیادہ بہتر ہے۔
باقی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ زیادہ جانتا ہے اور وہ ہی توفیق اور ہدایت دینے والا ہے۔

باب (1): ''عربی عصبیت'' پر اعتماد کی بجائے اسلامی ملتوں کے درمیان مشترک ''حقانی عصبیت'' پر اعتماد کی دعوتِ انقلاب دینے والے ائمہ کی اسانید

(حضرت عثمانؓ کی شہادت کے) فتنے کے زمانے میں ایک طرف بنوامیہ میں سے عربی عصبیت کی طرف دعوت دینے والے کھڑے ہوگئے، اور وہ عثمانی لوگ تھے۔ جب کہ دوسری طرف بنوہاشم کے لوگ دینی عصبیت کی طرف دعوت دینے لگے، اور وہ علوی تھے۔ چناں چہ پہلے بنواُمیہ کا غلبہ رہا، ان کے بعد بنوہاشم کو غلبہ حاصل ہوگیا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے بعد دوسری اقوام کے اُمی لوگ آگئے، جو اُن (بنوہاشم) کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ ان عجمی لوگوں کا تعلق ایران، ترکستان اور ہندوستان سے تھا۔

پہلی نوع: امام جعفر (صادق) بن محمد بن علی بن حسین شہید رضی اللہ عنہم کی اسانید

فصل (1): امام موسیٰ کاظم کی اسانید

(سید الطائفہ) ابوالقاسم (شیخ) جنید بغدادیؒ روایت کرتے ہیں اپنے ماموں (شیخ) سری سقطی سے اور وہ (شیخ معروف) کرخیؒ سے، وہ امام علی رضاؒ سے اور وہ اپنے والد امام موسیٰ کاظم (بن امام جعفر صادق) (33) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابویزید بسطامیؒ، (شیخ) جعفر بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہ (نعمان بن ثابتؒ) کی اسانید

(سید الطائفہ شیخ) جنید بغدادیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سری سقطیؒ، وہ (شیخ) معروف کرخیؒ سے، وہ (شیخ) داؤد طائیؒ سے اور وہ (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہؒ (34) سے روایت کرتے ہیں۔

(سید الطائفہ شیخ) جنید بغدادیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سری سقطی سے، وہ (شیخ) بشر بن حارث حافیؒ سے، وہ (شیخ) فضیل بن عیاضؒ سے اور وہ (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابویزید بسطامیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) شقیق بلخیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم بن ادھم بلخیؒ سے اور وہ (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابواسحاق شامیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علی دینوریؒ سے، وہ (شیخ) ابوہبیرہ بصریؒ سے، وہ (شیخ)

حذیفہ مرعشیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم بن ادھمؒ سے اور وہ (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(3): امام جعفر صادقؒ کی اسانید

امام علی رضاؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد امام موسیٰ کاظمؒ سے اور وہ اپنے والد امام جعفر صادقؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) جعفر المشہور کذاب روایت کرتے ہیں اپنے والد امام موسیٰ کاظمؒ سے اور وہ اپنے والد (امام) جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) داؤد طائیؒ اور (شیخ) ابراہیم بن ادھمؒ دونوں روایت کرتے ہیں امام ابوحنیفہؒ سے اور وہ امام جعفر صادقؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: (امام) ذہبی نے ''تذکرة الحُفّاظ'' میں لکھا ہے کہ:

''امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

''میں نے جعفر (صادق) بن محمد سے زیادہ فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔'' انتھیٰ (35)

فصل(4): امام ابوحنیفہؒ کے واسطے کے بغیر مشائخ طریقت کا امیر المؤمنین علی بن ابوطالبؓ کے ساتھ اتصال

(شیخ) داؤد طائیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حبیب عجمیؒ سے، وہ (شیخ) حسن بصریؒ سے، وہ امام حسن بن علیؓ سے اور وہ اپنے والد امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابراہیم بن ادھمؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) فضیل بن عیاضؒ سے، وہ (شیخ) عبدالواحد بن زیدؒ سے، وہ (شیخ) حسن بصریؒ سے، وہ (امام) حسن بن علیؓ سے، اور وہ اپنے والد امیر المؤمنین (حضرت علیؓ بن ابی طالب) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) داؤد طائیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حبیب بن سلیم راعیؒ سے، وہ (حضرت) سلمان فارسیؓ سے، اور وہ امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں۔

اور (حضرت) سلمان فارسیؓ، امیر المؤمنین (حضرت) ابوبکر صدیقؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: یہ بات مشہور ہے کہ (حضرت) حسن بصریؒ نے امیر المؤمنین (حضرت) علیؓ بن ابوطالب سے (براہِ راست) تعلیم حاصل کی ہے، حال آں کہ اس معاملے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ (36) صحیح بات یہی ہے اور جس میں کوئی شک نہیں ہے کہ (حضرت) حسن بصریؒ نے امام ابومحمد حسن بن علیؓ سے

فیض حاصل کیا اور انھوں نے اپنے والد امیر المؤمنین (حضرت علی المرتضیٰ) سے فیض حاصل کیا ہے۔

رضی اللّٰہ عنھم اجمعین. اللہ تعالیٰ ان سب حضرات سے راضی ہو۔

دوسری نوع: ائمہ علویین رضی اللہ عنہم کی اسانید

فصل (1): امام زید (بن علی بن حسین) شہید رضی اللہ عنہ کی اسانید

(شیخ) داوٗد طائیؒ اور (شیخ) ابراہیم بن ادھمؒ دونوں روایت کرتے ہیں امام ابوحنیفہؒ سے اور وہ (امام) زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (37) سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: خوارزمیؒ کہتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

''میں نے زید بن علی بن حسین سے زیادہ حاضر جواب کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ میں نے ان سے پوچھا کہ: کیا اللہ تعالیٰ نے گناہوں کو بھی مقدر میں لکھ دیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: (اس کا مطلب ہوا کہ) پھر زبردستی گناہ کروایا جاتا ہے؟۔'' انتھیٰ

زیدیوں کی کتابوں میں سے ایک کتاب ''روض النضیر'' میں لکھا ہے کہ:

حافظ یحییٰ بن حسین بن محمد بن قاسمؒ نے فرمایا:

''امام ابوحنیفہ نے (حضرت) زید بن علیؓ کے پاس دو سال کی مدت تک تعلیم حاصل کی۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے زید بن علی کی طرف کچھ مال بھیجا تو انھوں نے فرمایا: جس کام میں آپ مشغول ہیں، اس میں اس مال کو استعمال کیجیے۔ اور زید (بن علیؓ) کی جانب سے (امام) ابوحنیفہ کی طرف آنے والے قاصد فضیل بن زبیر تھے۔'' انتھیٰ

فصل (2): نفس زکیہ (امام) محمد بن عبداللہ اور ابراہیم بن عبداللہ شہیدین کی اسانید

(شیخ) داوٗد طائیؒ اور (شیخ) ابراہیم بن ادھمؒ دونوں روایت کرتے ہیں امام ابوحنیفہؒ سے، وہ امام محمدؒ (مہدی، نفس زکیہ) بن عبداللہ بن حسن (مثنیٰ بن حسن) بن علیؓ بن ابی طالب اور امام ابراہیم بن عبداللہؒ بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): امام حسن بن محمد (ابن حنفیہ) بن علی بن ابی طالب کی اسانید

(شیخ) داوٗد طائیؒ اور (شیخ) ابراہیم بن ادھمؒ دونوں روایت کرتے ہیں امام ابوحنیفہؒ سے اور وہ امام حسن بن محمد ابن حنفیہ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: امام مالک (محمد) ابن شہاب (زہریؒ) سے مؤطا میں روایت کرتے ہیں۔

(امام) سیوطیؒ ''اسعاف المبطأ (برجال المؤطّا)'' میں لکھتے ہیں:

''ابو محمد، حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب، مدنی، اپنے والد (امام محمد) ابن حنفیہ، (حضرت عبداللہ) ابن عباسؓ، (حضرت) جابرؓ (ابن عبداللہ) اور (حضرت) سلمہ بن الاکوعؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے روایت کرنے والوں میں (ابن شہاب) زہری اور عمرو بن دینار ہیں۔ (امام) دارِقطنی فرماتے ہیں: ''(حسن بن محمد) پہلے وہ آدمی ہیں، جنھوں نے ''إرجاء'' (کے عقیدے) کے بارے میں کلام کیا ہے۔ اور وہ صحیح حدیث بیان کرنے والے شخص ہیں۔'' ابن حبان فرماتے ہیں: ''آپ اہل بیت میں افضل ترین آدمی ہیں۔ اور ''علم الإختلاف'' میں لوگوں میں سب سے زیادہ عالم ہیں۔'' (عمرو) ابن دینار کہتے ہیں کہ: ''(امام) زہری کی حیثیت ان کے بچوں کی سی ہے۔ ان کا انتقال 95ھ (714ء) میں ہوا۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ: 101ھ (720ء) میں آپ کا انتقال ہوا۔'' انتھٰی (38)

حافظ ابن حجر (عسقلانی) ''تہذیب'' میں لکھتے ہیں:

''ایوب فرماتے ہیں کہ: ''میں ''إرجاء'' (کے عقیدے) سے برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ اہل مدینہ میں سے جس آدمی نے سب سے پہلے اس سلسلے میں گفتگو کی، انھیں حسن بن محمد کہا جاتا ہے۔''

نیز حافظ (ابن حجر عسقلانی) کہتے ہیں:

''میں حسن بن محمد (ابن حنفیہ) کی کتاب سے واقف ہوں۔ جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

''ہم (حضرت) ابوبکرؓ اور (حضرت) عمرؓ سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں (مخالفین سے) ہم جہاد کریں گے۔ اس لیے کہ ان دونوں حضرات کے بارے میں امت میں کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ ان دونوں حضرات کی خلافت کے بارے میں کسی کو کوئی شک نہیں ہے۔ البتہ ان حضرات کے بعد ہم ایسے لوگوں کے بارے میں امید رکھتے ہیں جو فتنے کے زمانے میں داخل ہوئے۔ ہم ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔... الیٰ آخر الکلام''

حسن بن محمد نے جو بات کہی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ (حضرت عثمانؓ کے عہد میں) فتنے کے زمانے میں جن دو جماعتوں کے درمیان لڑائی ہوئی، ان میں سے کسی ایک کو صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں وہ اپنی کوئی قطعی رائے نہیں رکھتے تھے۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان دونوں جماعتوں کے معاملے کے بارے میں (بہتری اور اچھائی کی) امید رکھنی چاہیے۔ (یہی عقیدۂ ارجاء کی حقیقت ہے) اُن (حسن بن محمدؒ) کی اس رائے کی وجہ سے انھیں بُرا بھلا نہیں کہا جاسکتا۔ اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔'' انتھٰی (39)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: امامِ اعظم امام ابوحنیفہ کی طرف ''عقیدۂ إرجاء'' (40) کی جو نسبت کی گئی ہے، اس کا مطلب اور مفہوم بھی یہی ہے۔ جہاں تک امامِ ابوحنیفہ کے بعد آنے والے حنفیہ کا تعلق ہے، تو ان

میں اہل سنت بھی ہیں اور وہ بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ اوران میں ''ارجاء'' کا عقیدہ رکھنے والے گمراہ اور بدعتی بھی ہیں۔ انھی میں سے بشر بن غیاث مریسی ہے۔ (محمود بن سلیمان) کفوی (اس کے بارے میں) کہتے ہیں کہ:

''اس شخص نے امامِ ابوحنیفہ کی مجلس میں شرکت کی ہے اوران سے کچھ چیزیں اخذ بھی کی ہیں۔ پھر امامِ ابو یوسف کی صحبت میں بھی رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے کمال حاصل کرلیا۔'' انتھٰی (41)

(حافظ) عبدالقادر قرشیؒ نے لکھا ہے:

''امامِ طحاویؒ فرماتے ہیں: میں نے قاضی ابوعبید علی ابن حسینؒ سے سنا ہے، وہ فرماتے ہیں: مجھ سے ابن فہم نے روایت کیا ہے، اور انھوں نے فرمایا: مجھ سے ابن زنجویہ نے روایت کیا ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے (امام) احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے کہ: میں حضرت قاضی ابو یوسف کی مجلس میں موجود تھا، جب انھوں نے بشر (بن غیاث) مریسی کو اپنی مجلس سے نکل جانے کا حکم دیا۔ وہ اپنا پاؤں گھسیٹتا ہوا نکل گیا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد میں نے اس کو مجلس میں دیکھا تو اس سے پوچھا گیا کہ تو دوبارہ مجلس میں کیوں آیا؟ اس نے کہا کہ: کل جو کچھ میرے ساتھ ہوا، اس کی وجہ سے میں علم میں سے اپنے حصے کو ختم نہیں کروں گا۔'' انتھٰی (42)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: امامِ ابو یوسفؒ کے شاگردوں میں (قاضی ابوالولید) بشر بن ولید کندی بھی ہیں، جو اہل سنت کے اماموں میں سے ایک امام ہیں اور آزمائش کے زمانے میں امام احمد (بن حنبلؒ) کے رفقا میں سے رہے ہیں۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو اور ورق گردانی کرنے والے بے وقوف فلسفیوں میں سے مت بنو۔ واللّٰہ الموفّق. اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

تیسری نوع: (امامِ اعظم) امامِ ابوحنیفہؒ کی اسانید

فصل (1): انقلاب کی دعوت سے متعلق ان کے نظریے اور عقیدے کی تشریح

(انقلاب کی دعوت سے متعلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالے سے امام ابوحنیفہؒ کے نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے آیت يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ (105:5) (اے ایمان والو! تم پر اپنی جان کی فکر لازم ہے۔ تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہوا، جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو) کے تحت) امام ابوبکر (احمد بن علی جصاص) رازیؒ لکھتے ہیں:

''ہم سے مکرم بن احمد قاضیؒ نے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ: ہم سے احمد بن عطیہ کوفیؒ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ: ہم سے (شیخ) حمانیؒ نے بیان کیا اور وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے (حضرت عبداللہ) ابن مبارک سے سنا ہے، انھوں نے فرمایا کہ:

''جب (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہ کے پاس (امام) ابراہیم (بن میمون) صائغؒ (43) کے قتل کی خبر پہنچی تو آپ اتنا روئے کہ ہم نے سمجھا کہ یہ عن قریب مر جائیں گے۔ اس کے بعد جب میں ان سے تنہائی میں ملا تو انھوں نے فرمایا کہ:

''اللہ کی قسم یہ بڑے عقل مند انسان تھے اور مجھے ان کے بارے میں اسی بات کا ڈر تھا۔''

میں نے پوچھا کہ: اس کا کیا سبب ہوا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ:

''یہ میرے پاس آیا کرتے تھے اور مجھ سے سوالات کیا کرتے تھے۔ ان کی شخصیت ایسی تھی کہ یہ اپنی جان کو اللہ کی اطاعت میں بہت زیادہ خرچ کرنے والے اور بہت زیادہ متقی اور پرہیز گار تھے۔ (احتیاط و تقوے کا یہ عالم تھا کہ) میں جب بھی اس کے سامنے (کھانے کی) کوئی چیز رکھتا تو یہ اس کے بارے میں مجھ سے سوال کرتے تھے، نہ اس کو چکھتے تھے۔ بسا اوقات مطمئن ہو جاتے تو تھوڑا بہت کھا لیتے تھے۔ انھوں نے مجھ سے ''امر بالمعروف'' اور ''نھی عن المنکر'' کے بارے میں سوالات کیے۔ یہاں تک کہ ہم اس بات پر متفق ہوئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک فریضہ ہے۔''

امامِ اعظم نے فرمایا: اس کے بعد انھوں نے مجھ سے کہا کہ: ''آپ اپنا ہاتھ بڑھایئے، تاکہ میں آپ سے بیعتِ (جہاد) کروں۔'' (ان کو شہید کر کے) دنیا نے میرے اور ان کے درمیان اندھیرا پیدا کر دیا۔''

میں نے پوچھا کہ: کیسے؟ تو امامِ اعظم نے فرمایا کہ:

''ابراہیم صائغؒ مجھے اللہ کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں ایک حق کی طرف دعوت دے رہے تھے، میں نے انھیں اس پر روکا اور ان سے کہا کہ: ''اگر اس کام کو ایک اکیلا آدمی لے کر کھڑا ہوگا تو وہ قتل کر دیا جائے گا۔ اس سے لوگوں کا کوئی کام بھی درست نہیں ہوگا، لیکن اگر اس کام کے لیے بہترین صلاحیت والے مددگار اور معاونین موجود ہوں اور ایک ایسا آدمی ان کا سردار ہو، جس پر اللہ کے دین کے سلسلے میں اعتماد کیا جا سکے، تو دشمن اس کا رُخ نہیں موڑ سکتا۔''

امامِ ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ: ''وہ اس بات کا تقاضا کرتے رہتے تھے۔ وہ جب بھی میرے پاس آتے، اصرار کرنے والے قرض خواہ کی طرح مجھ سے اس بات کا تقاضا کرتے رہتے تھے۔ میں ان سے کہتا کہ: یہ ایسا کام ہے، جو ایک آدمی سے نہیں ہو سکتا۔ انبیا علیہم السلام کو بھی اس وقت تک اس بات کا حکم نہیں دیا گیا، جب تک کہ آسمان (یعنی اللہ کی جانب) سے اس کام پر فیصلہ نہیں ہو گیا۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے، جو دیگر ایسے فرائض کی طرح نہیں ہے، جنھیں ایک آدمی اکیلا بھی کر سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا کام ہے کہ جب بھی کسی اکیلے آدمی نے یہ کام کرنے کی کوشش کی تو اس کا خون بہا دیا گیا۔ گویا کہ اس نے اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کر دیا۔''

''مجھے ان کے بارے میں یہی ڈر لگا رہتا تھا کہ وہ خود اپنی جان کو قتل کرنے کے درپے ہیں۔ اور جب ایک آدمی قتل ہوجائے تو کسی دوسرے کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ ایسا کام کرکے اپنے آپ کو قتل ہونے کے لیے پیش کرے، لیکن وہ اس سلسلے میں انتظار میں رہتے تھے۔''

پھر وہ ''مرو'' چلے گئے، جہاں ابومسلم (خراسانی حکمران) تھا۔ تو انھوں نے اس کے ساتھ بڑے سخت انداز میں گفتگو کی۔ اس نے انھیں گرفتار کرلیا۔ اس پر اہلِ خراسان اور وہاں کے رہنے والے فقہا اور عبادت گزار جمع ہوگئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے انھیں رہا کروالیا۔ دوبارہ انھوں نے اسی انداز میں بات کی، تو اس نے انھیں سخت تنبیہ کی۔ اس کے بعد انھوں نے سہ بارہ وہی بات دہرائی، اور اس سے کہا کہ:

''میں اللہ تعالیٰ کے لیے جتنے کام بھی کرتا ہوں، ان میں تجھ (جیسے حکمران کے خلاف) جدوجہد کرنے کو سب سے زیادہ افضل سمجھتا ہوں۔ میں اگرچہ اپنے ہاتھ سے تجھ سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتا، لیکن اللہ نے مجھے دکھا دیا ہے کہ میں ضرور اپنی زبان کے ذریعے سے تمھارے خلاف جہاد کروں اور میں تجھ سے اس سلسلے میں بغض رکھتا ہوں۔'' اس پر اس (ابومسلم خرسانی) نے انھیں قتل کردیا۔''

انتھیٰ ما رواہ ابوبکر رازیؒ (ابوبکر رازیؒ نے جو بات بیان کی ہے، وہ مکمل ہوگئی) (44)

(مشکل حالات میں جدوجہد کرنے والے ائمہ انقلاب)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ:

[1] امیرالمؤمنین (حضرت) علیؓ بن ابوطالب کے بعد (حضرت) امام حسنؓ (بن علیؓ) اس کام کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے ساتھیوں نے ان سے بیعت کی۔ پھر انھی لوگوں نے ان سے خیانت کی اور انھیں اکیلا چھوڑ دیا، اسی لیے وہ (حضرت معاویہؓ کے ساتھ) مصالحت کرنے پر مجبور ہوگئے۔ وہ (حضرت امام حسنؓ) ایک ایسے سردار تھے کہ اللہ نے ان کے ذریعے سے مسلمانوں کے درمیان صلح کرائی۔ (45)

[2] ان کے بعد (حضرت امام) حسینؓ (بن علی بن ابوطالب) اس کام کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ آپؓ کربلا میں شہید کردیے گئے۔

[3] پھر (حضرت) حسن (مثنیٰ) بن حسن (بن علیؓ بن ابوطالب اس کام کے لیے) اٹھ کھڑے ہوئے۔ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ان کی بیعت کی گئی۔ ان کی طرف دعوت دینے والے لوگوں میں (امام) عبدالرحمٰن ابن محمد بن اشعث (متوفی 84ھ/ 703ء) بھی تھے۔ اور اس کام میں ان کی اتباع کرنے والوں میں (امام) عامر (بن شراحیل) شعبی ہیں، جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے بڑے مشائخ میں سے ہیں۔ اور (حضرت) سعید ابن جبیرؒ بھی تھے۔

[4] پھر ہشام (بن عبدالملک) کے زمانے میں (حضرت امام) زید بن علی (بن حسین بن علی بن ابوطالب (46) اس کام کے لیے) اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھیں بھی 122ھ (739ء) قتل کر کے شہید کر دیا گیا۔

[5] پھر یحییٰ بن زید (بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب (47) اس کام کے لیے اٹھ) کھڑے ہوئے اور انھیں 126ھ (744ء) میں قتل کر کے شہید کر دیا گیا۔

[6] پھر (خلیفہ) منصور (عباسی) کے زمانے میں (حضرت امام، نفس زکیہ، مہدی) محمد بن عبداللہ بن حسن (مثنیٰ) بن حسن (بن علیؓ بن ابوطالب) (48) اور ان کے بھائی (حضرت امام) ابراہیم بن عبداللہ (بن حسن مثنیٰ) (49) اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھیں بھی 145ھ (763ء) میں شہید کر دیا گیا۔

[7] امام ابوحنیفہؒ ان لوگوں میں سے ہیں، جنھوں نے ان دونوں حضرات کی مالی معاونت اور افرادی قوت کے ساتھ مدد کی۔ اسی لیے (خلیفہ) منصور (عباسی) نے آپ کو جیل میں قید کر دیا، یہاں تک 150ھ (767ء) میں قید کی حالت میں ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔ (50)

اللہ تعالیٰ ان تمام کی مغفرت فرمائے اور ان سب سے راضی ہو جائے۔

تکمیل فصل (1): (جہاد و انقلاب کی اہمیت)

امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ (41:9)

(تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرو)

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں مال اور جان، دونوں سے جہاد کرنا فرض قرار دیا ہے۔

جس آدمی کے پاس مال ہو اور ایسا مریض ہو کہ جہاد پر نہ جا سکے، یا ایسا ضعیف اور کمزور ہو کہ لڑائی کی صلاحیت نہیں رکھتا، تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال کے ذریعے سے جہاد کرے۔ اس طرح پر کہ دوسرے آدمی کو اپنا مال دے اور اس کے ذریعے سے جہاد میں شریک ہو جائے۔ جیسا کہ اگر اس کے پاس جسمانی طور پر جہاد کی طاقت و قدرت ہوتی، تو اس پر جان سے جہاد کرنا فرض تھا۔ اگرچہ وہ مال دار اور غنی نہ بھی ہوتا۔

جو آدمی جہاد و قتال کی طاقت و قوت رکھتا ہے اور اس کے پاس مال بھی ہے تو اس پر اپنی جان اور مال، دونوں حوالے سے جہاد کرنا فرض ہے۔

جو آدمی اپنی جان کے حوالے سے جہاد کرنے سے عاجز ہے اور مال بھی نہیں رکھتا تو اس پر اللہ اور اس کے رسول کے دین کی سربلندی اور خیرخواہی کے حوالے سے جہاد کرنا فرض ہے۔ اس کی دلیل اللہ

تعالیٰ کا یہ قول ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ (91:9)

(نہیں ہے کچھ گناہ ضعیفوں پر، اور نہ مریضوں پر، اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہے، جب کہ دل سے وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ہوں) (51)

(جان و مال کے ساتھ جہاد کی چند قسمیں)

امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ فرماتے ہیں:

''مال کے ساتھ جہاد کرنے کی دو صورتیں ہیں:

(الف) ایک یہ کہ انسان آلاتِ جنگ، اسلحہ، سواری اور سفر خرچ یا اس سے متعلقہ ایسی چیزوں پر اپنا مال خرچ کرے، جن کی خود اسے لڑنے کے لیے ضرورت ہے۔

(ب) دوسرے یہ کہ اپنا مال دوسرے ایسے افراد پر خرچ کرے کہ جو جہاد میں شریک ہیں اور ان کے سفر خرچ اور دیگر ضروریات میں ان کی معاونت کرے۔

اسی طرح جان کے ذریعے سے جہاد کرنے کی بھی چند قسمیں ہیں:

(الف) ان میں سے ایک یہ کہ خود جہاد کے لیے نکلے اور براہِ راست لڑائی میں شریک ہو۔

(ب) ایک یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جہاد کی فرضیت کے بارے میں (لوگوں کے سامنے) بیان کرے اور جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہونے والوں کے لیے عمدہ انعامات کا تذکرہ کرے اور اس سے منہ موڑ کر بیٹھنے والوں کے لیے سزاؤں کا تذکرہ کرے۔

(ج) ایک قسم یہ ہے کہ جہاد کا حکم دے اور لوگوں کو اس کی طرف ترغیب دے۔

(د) ایک قسم یہ ہے کہ دشمن کے راز معلوم کیے جائیں اور ان کی جنگی حکمتِ عملیوں سے مجاہدین کو باخبر کیا جائے اور انھیں درست مشورے دیے جائیں۔ اور جنگی معاملات کے سلسلے میں مسلمانوں کی بہترین اور عمدہ تدابیر کی طرف رہنمائی کی جائے۔'' (52)

(جہاد و انقلاب کے لیے اجتماعیت کی نوعیت)

(نیز امام ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں:)

اگر کوئی پوچھے کہ کیا فاسق و فاجر کے ساتھ مل کرنا جہاد کرنا جائز ہے؟ تو اس سے کہا جائے گا کہ مجاہدین میں سے ہر ایک پر جہاد کرنا فرض ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کفار کے ساتھ جہاد کرے،

اگر چہ لشکر اور امیر لشکر فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہوں۔....

جہاد کی فرضیت بیان کرنے والی تمام آیات میں فاسقوں کے ساتھ شامل ہوکر جہاد کرنے اور نیک اور عادل لوگوں کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کے سلسلے میں کوئی فرق بیان نہیں کیا گیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی فرضیت بیان کرتے ہوئے فاسقوں اور فاجروں کو چھوڑ کر صرف عدل و انصاف والوں کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کا حکم نہیں دیا۔ جب ہر ایک پر دشمنوں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے تو عدل و انصاف قائم کرنے والوں کے ساتھ اور فاسق و فاجر لوگوں کے ساتھ جہاد کرنے کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (53)

(اکیلا آدمی کب جہاد و انقلاب کے لیے قربانی دے سکتا ہے؟)

امام ابوبکر رازی فرماتے ہیں:

''(جہاں تک ایک آدمی کا دشمن کی اجتماعی طاقت کے خلاف حملہ آور ہونے کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں حضرت امام) محمد بن حسن (شیبانیؒ) نے ''سیر کبیر'' میں لکھا ہے:

(الف) اگر ایک اکیلا آدمی (دشمن کے) ایک ہزار آدمیوں پر حملہ کرنا چاہے اور ایسی صورت میں اسے بچ نکلنے یا دشمن کو مغلوب کرنے کی امید ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(ب) اگر بچ نکلنے اور دشمن کو شکست دینے کی امید نہ ہو تو ایسے حملے کو مَیں پسند نہیں کرتا۔ اس لیے کہ یہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے بغیر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ مناسب بات یہ ہے کہ آدمی ایسا کام اس وقت کرے، جب اسے مسلمانوں کو بچانے یا انھیں فائدہ پہنچانے کی امید ہو۔

(ج) اگر اپنے بچنے کی امید نہ ہو اور نہ ہی دشمن کو شکست دینے کی امید ہو، لیکن اس کے اس عمل کے نتیجے میں دیگر مسلمانوں میں ایسی ہی جرأت اور ہمت پیدا ہوجائے اور وہ بھی سب مل کر اس کی طرح دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو پھر اِن شاء اللہ ایسی جرأت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر دشمن کو شکست دینے کی امید ہو اور اپنے بچنے کی امید نہ ہو تو میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا کہ ایسا آدمی دشمن پر حملہ آور ہو۔ اسی طرح جب اسے امید ہو کہ اس کے علاوہ دوسرے افراد بھی دشمن کو شکست دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اس سلسلے میں وہ اجر کا مستحق ہوگا۔

(د) اکیلے حملہ آور ہونا صرف اس وقت ناجائز ہے، جب کہ کسی بھی صورت میں کوئی نفع حاصل نہ ہوتا ہو۔

(ھ) اگر بچ نکلنے کی امید بھی نہیں ہے اور دشمن کو بظاہر نقصان بھی نہیں ہے، لیکن دشمن پر رعب پیدا ہوتا ہے، تو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لیے کہ دشمن پر رعب پیدا کرنا، اسے مغلوب کرنے کے سلسلے میں سب سے افضل کام ہے اور اسی میں مسلمانوں کا نفع ہے۔''

(''سیر کبیر'' کی عبارت نقل کر کے امام) ابو بکر (جصاص رازیؒ) فرماتے ہیں کہ:

''امام محمدؒ نے اکیلے ایک آدمی کے جہاد کے حوالے سے جتنی وجوہات بیان کی ہیں، وہ صحیح ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر تمام شکلوں میں اکیلے آدمی کا جہاد کرنا جائز نہیں۔'' (54)

امام ابو بکر جصاص رازیؒ لکھتے ہیں کہ:

''جہاں تک ایک انسان کا اپنی جان کی قربانی دے کر دین کے غالب کرنے کا فائدہ حاصل ہوتا ہو، تو یہ ایک بڑا بلند اور معزز مقام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مقام کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی اس آیت میں تعریف کی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۖ (111:9)

(اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر خرید لیا کہ ان کے لیے جنت ہے، اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔)

اس جیسی آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے، جو اپنی جان کو اللہ کے لیے قربان کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' اس وقت کیا جائے، جب دین کے حوالے سے نفع حاصل ہونے کی امید ہو۔ چناں چہ ایسے موقع پر اگر اپنی جان کی قربانی دی جائے، یہاں تک کہ شہید کر دیا جائے۔ تو یہ شہدا کے اعلیٰ درجات میں سے ہوگا۔'' (55)

(ظالم حکمران کے سامنے عدل وانصاف کی بات کہنا جہاد ہے)

(امام) ابو بکر (جصاص رازیؒ) فرماتے ہیں کہ:

''ہم سے روایت کیا محمد بن عمرؒ نے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی ہے احمد بن محمد ابن عمر بن مصوب مروَزیؒ نے، وہ کہتے ہیں کہ: میں نے ابو عمارہؒ سے سنا، انھوں نے کہا کہ: میں نے حسن بن رشیدؒ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ: میں نے (امامِ اعظم) امام ابو حنیفہؒ سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں (حضرت) ابراہیم صائغ نے خبر دی، اور وہ روایت کرتے ہیں عکرمہؒ سے اور وہ ابن عباسؓ سے اور وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

''شہیدوں کے سردار (حضرت) حمزہ بن عبدالمطلبؓ ہیں اور ہر وہ آدمی ہے، جو ظالم حکمران کے سامنے اٹھ کھڑا ہو اور اسے نیکی کا حکم دے اور اس کو ظلم سے روکے، اس بنا پر وہ ظالم حکمران اُسے شہید کر دے۔''

(امام) ابو بکر رازیؒ اس حدیث کی روایت کے بعد لکھتے ہیں:

''ایک فضول سی جماعت کا یہ گمان ہے کہ اگر کوئی حکمران ظلم و ستم کرے اور قتل انسانیت کا ارتکاب کرے، جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے، تو اُس پر کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ حکمران کے علاوہ عام لوگوں کو ہتھیاروں کے بغیر صرف زبان اور ہاتھ سے اس ظلم سے روکنا چاہیے۔''

ایسی رائے رکھنے والے لوگ امت کے مخالف دشمنوں کی جانب سے پیدا کردہ شر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ گروہ حکمرانوں کے ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھانے سے لوگوں کو روکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فاسقوں اور فاجروں کا غلبہ ہوجاتا ہے، بلکہ اسلام کے دشمن اس طرح تسلط حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ملکی امن جاتا رہتا ہے، ظلم کو فروغ حاصل ہوتا ہے، شہر تباہ و برباد ہوجاتے ہیں، دین اور دنیا کی ترقی ختم ہوجاتی ہے اور الحاد و زندقہ اور انتہا پسندی غالب آجاتی ہے۔ اس طرح ''ثنویت''، ''مزدکیت'' اور ''خرمیت'' (56) ایسے غلط مذاہب غالب آجاتے ہیں۔ نیز ان کا یہ عمل ''امر بالمعروف'' کو چھوڑنے اور ''نهي عن المنكر'' سے بچنے اور ظالم بادشاہ کی مخالفت کو چھوڑنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے۔

ہم سے بیان کیا ہے محمد ابن بکرؒ نے، وہ روایت کرتے ہیں (امام) ابوداوٗدؒ سے، اور وہ روایت کرتے ہیں محمد بن عباد واسطیؒ سے، وہ یزید بن ہارونؒ سے، وہ اسرائیلؒ سے، اور وہ محمد بن جحادہؒ سے، وہ عطیہ عوفیؒ سے، وہ ابوسعید خدریؓ سے اور وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''أفضل الجهاد كلمة عدلٍ عند سلطانٍ جائرٍ أو أمير جائرٍ.''

''سب سے بہترین جہاد، ظالم سلطان یا ظالم حکمران کے سامنے عدل و انصاف کی بات کہنا ہے۔''

انتهٰى بحمد الله ما اردنا التقاته من احكام القرآن للامام ابى بكر الرازى. (57)

اللہ کی حمد و ثنا ہے کہ امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ کی کتاب ''احكام القرآن'' کی جو منتخب عبارتیں ہم لینا چاہتے تھے، وہ یہاں پر مکمل ہوگئیں۔

باب (2): قضا، افتا اور تدریس کے فرائض سرانجام دینے والے فقہا کی اسانید

پہلی نوع: امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں: امام ابو یوسفؒ، امام زفر (بن) ہذیلؒ امام محمد بن حسنؒ، حسن بن زیادؒ اور حماد بن امام ابوحنیفہؒ کی اسانید

فصل (1): امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاریؒ کی اسانید

امام طحاویؒ روایت کرتے ہیں ابوحازمؒ سے، وہ بکر بن محمد عمیؒ سے اور وہ نصیر بن یحییٰ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح ابوجعفر ہندوانیؒ روایت کرتے ہیں ابوالقاسم صفارؒ سے، وہ نصیر بن یحییٰ سے، وہ محمد بن سماعہؒ سے اور وہ امام ابو یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) طحاویؒ روایت کرتے ہیں ابن ابی عمرانؒ سے اور وہ بشر بن ولید کندیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (امام) طحاویؒ روایت کرتے ہیں بکار بن قتیبہؒ سے اور وہ ہلال بن یحییٰ بن مسلمؒ رائے سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (امام) طحاویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابن ابی عمرانؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن سلمہؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن شجاع ثلجیؒ سے، وہ (شیخ) حسن بن ابو مالکؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور یہ تینوں (بشر بن ولید کندی، ہلال بن یحییٰ اور حسن بن ابو مالک) امام (قاضی) ابو یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(2): امام زفر بن ہذیلؒ کی اسانید

(امام) طحاویؒ، (شیخ) ابن ابی عمرانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ ابوجعفر) ہندوانیؒ، (شیخ) اسکافؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور یہ دونوں (شیخ ابن ابی عمرانؒ اور شیخ اسکافؒ، شیخ) محمد بن سلمہؒ سے، وہ (شیخ) شداد بن حکیمؒ سے، اور وہ امام زفر (بن ہذیلؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) طحاویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) بکار بن قتیبہؒ سے، وہ (شیخ) ہلال بن یحییٰ بن ابو مسلم رائےؒ سے اور وہ امام زفر بن ہذیل سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(3): نعمانی (حنفی) مذہب کو قلم بند کرنے والے امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی اسانید

امام عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی بخاریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعبداللہ محمد بن احمد بن حفص (امام ابوحفص صغیر) سے، وہ اپنے والد امام ابوحفص (کبیر، احمد بن حفص) (58) سے، اور وہ امام محمد بن حسن (شیبانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام طحاویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابن ابی عمرانؒ سے اور وہ (شیخ) محمد بن مسلمہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ ابوجعفر) ہندوانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) اسکافؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن مسلمہؒ سے اور وہ (شیخ) ابوسلیمان جوزجانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابومنصور ماتریدیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد عیاضیؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن اسحاق جوزجانیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوسلیمان جوزجانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام عبداللہ حارثی بخاریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالرحیم سمنانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوسلیمان جوزجانیؒ سے، وہ امام محمد بن حسن (شیبانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ ابوجعفر) ہندوانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالقاسم صفارؒ سے، وہ (شیخ) نصیر بن یحییٰ سے، وہ (شیخ) ابوسلیمان جوزجانیؒ اور محمد بن سماعہؒ سے اور یہ دونوں حضرات امام محمد (بن حسن شیبانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) طحاویؒ اور (شیخ) ابوطاہر دباسؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوحازمؒ سے، وہ (شیخ) بکر بن محمد عمّیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن سماعہؒ سے، وہ امام محمد (شیبانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) کرخیؒ روایت کرتے ہیں ابوسعید بردعیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی دقاقؒ سے، وہ (شیخ) موسیٰ بن نصیر رازیؒ سے اور وہ امام محمد (شیبانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) طحاویؒ، (شیخ ابوطاہر) دباسؒ اور (شیخ) ابوسعید بردعیؒ تینوں روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوحازمؒ سے، وہ (شیخ) عیسیٰ بن ابانؒ سے اور وہ امام محمد (بن حسن شیبانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): (امام) حسن بن زیادؒ اور (امام) حماد بن امام ابوحنیفہؒ کی اسانید

(امام) کرخیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوسعید بردعیؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہؒ سے اور وہ اپنے والد (شیخ) حماد بن امام ابوحنیفہؒ اور (امام) حسن بن زیادؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) طحاویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوحازمؒ سے اور وہ (شیخ) بکر بن محمد عمّیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ ابوجعفر) ہندوانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالقاسم صفارؒ سے، یہ دونوں (شیخ بکر بن محمد عمّیؒ اور شیخ ابوالقاسم صفارؒ، شیخ) نصیر بن یحییٰ سے، وہ (شیخ) محمد بن سماعہؒ سے اور وہ (امام) حسن بن زیادؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کے حالاتِ زندگی - اللہ ان سے راضی ہو

تذکرہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

(امام) ذہبیؒ "**تذکرۃ الحُفّاظ**" میں تحریر فرماتے ہیں:

''عراق کے فقیہ (حضرت) نعمان بن ثابت بن زوطی تیمی کوفی کی پیدائش 80ھ (699ء) میں ہوئی۔ انھوں نے حضرت عطا (ابن یسارؒ)، نافعؒ، عبدالرحمٰن بن ہرمز اَعرجؒ، عدی بن ثابتؒ، سلمہ بن کہیلؒ، ابوجعفر محمد بن علیؒ، قتادہ، عمرو بن دینارؒ، ابواسحاقؒ اور بہت سے حضرات سے تعلیم حاصل کی ہے۔ آپؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں میں (امام) زفر بن ہذیلؒ، (امام) داؤد طائیؒ، (امام) قاضی ابویوسفؒ، (امام) محمد بن حسن (شیبانیؒ)، اسد بن عمرؒو، حسن بن زیاد لولویؒ، نوح الجامعؒ اور ابومطیع بلخیؒ ہیں۔ اسی طرح آپؒ نے فقہ حماد بن ابوسلیمان وغیرہ سے حاصل کی۔'' انتہیٰ (59)

تذکرہ امام ابو یوسفؒ

(امام) ذہبیؒ ''تذکرۃ الحُفّاظ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''عراقیوں کے فقیہ (امام ابو یوسف) یعقوب بن ابراہیم انصاری کوفی، امامِ ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔ آپؒ نے ہشام بن عروہؒ، ابواسحاق شیبانیؒ، عطاء بن سائبؒ اور ان کے طبقے کے لوگوں سے حدیث کی سماعت ہے۔ اور آپ سے روایت کرنے والوں میں فقیہ (امام) محمد بن حسن (شیبانیؒ)، (امام) احمد بن حنبلؒ، بشر بن ولیدؒ، یحیٰی بن معینؒ اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات شامل ہیں۔'' انتھٰی (60)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: امام ابو یوسفؒ نے ''کتاب الخراج'' میں اَعمشؒ، منصورؒ، پھر امام مالکؒ اور لیث (بن سعدؒ) سے بھی روایات بیان کی ہیں۔

حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

''مشرق سے مغرب تک کے تمام عالم میں مَیں کسی ایسے قاضی اور جج کو نہیں جانتا، جن کے سپرد عہدۂ قضا کیا گیا ہو، سوائے (امام) ابو یوسفؒ کے، جنھیں اپنے زمانے میں اس عہدے پر فائز کیا گیا اور دوسرے (امام) احمد بن ابوداؤدؒ کو، جو اپنے زمانے میں اس منصب پر فائز رہے ہیں۔'' انتھٰی

تذکرہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''آپ محمد بن حسن بن خرق شیبانی ہیں۔ آپ نے فقہ کی تعلیم (امام) ابوحنیفہ سے حاصل کی اور حدیث کی سماعت (امام سفیان) ثوریؒ، مسعرؒ،..... (امام) اوزاعیؒ، (امام) مالک بن انسؒ اور ایک بڑی جماعت سے کی ہے۔ اور آپ سے روایت کرنے والوں میں (امام) شافعیؒ اور ابوسلیمان جوزجانیؒ وغیرہ ہیں۔'' انتھٰی (61)

(امام) طحاویؒ فرماتے ہیں:

ہمیں خبر دی ابن ابوعمران نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی محمد بن مروان حفافؒ نے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہؒ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ (امام) محمد بن حسن (شیبانیؒ) فرماتے تھے:

''میں داؤد طائی کے پاس اُن کے گھر جاتا اور اُن سے کسی مسئلے کے بارے میں دریافت کرتا۔ پس اگر اُن کے دل میں یہ بات آتی کہ مجھے اس مسئلے کی کسی دینی امر میں ضرورت ہے تو وہ اس کا جواب دے دیتے، اور اگر اُن کے دل میں یہ بات ہوتی کہ یہ ہمارے سمجھے ہوئے مسائل میں سے ہے، تو میرے چہرے کی طرف دیکھ کر صرف مسکرا دیتے اور فرماتے: ''بے شک ہماری اپنی مصروفیت ہے، بے

شک ہماری اپنی مصروفیت ہے۔'' انتھیٰ

تذکرہ امام زفر بن ہذیل

(امام عبدالقادر) قرشیؒ ''طبقات'' میں لکھتے ہیں:

''ابو عمر کہتے ہیں کہ (امام) زفر عقل مند، دین دار، سمجھ دار اور انتہائی پرہیز گار آدمی تھے۔ حدیث میں آپ پر پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے۔'' انتھیٰ (62)

(ملا) علی قاریؒ، مبارک سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

''میں نے (امام) زفر سے سنا کہ جب کوئی حدیث موجود ہو تو ہم اپنی رائے سے کوئی مسئلہ اخذ نہیں کرتے۔ اور جب کوئی اثر اور حدیث آجائے تو اپنی رائے چھوڑ دیتے ہیں۔'' عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ: ''جب (امام) زفر بصرہ تشریف لائے تو ان کے سامنے ''جامع (مسند) سفیان (ثوری)'' پیش کی گئی، تو انھوں نے فرمایا کہ: ''یہ ہمارا کلام ہے، جو دوسروں کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔'' انتھیٰ (63)

تذکرہ (امام) حسن بن زیاد

(امام عبدالقادر) قرشی لکھتے ہیں:

''یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں کہ: ''میں نے حسن بن زیاد سے زیادہ فقیہ کسی اور کو نہیں دیکھا۔ آپؒ کوفہ میں قضا کے منصب پر فائز رہے۔ پھر اُس سے استعفیٰ دے دیا۔ آپؒ سنت سے محبت رکھتے اور اس کی اتباع کرتے تھے۔ آپؒ (امام) زفرؒ اور (امام) ابو یوسفؒ سے فقہ میں اختلاف رکھتے تھے۔'' (امام) سمعانیؒ فرماتے ہیں کہ: '' آپ (امام) ابوحنیفہ کی روایت قبول کرتے تھے اور بہت اچھے اخلاق کے مالک تھے۔'' انتھیٰ (64)

تذکرہ امام حماد بن نعمان ابن امام (ابوحنیفہ)

(امام عبدالقادر) قرشیؒ فرماتے ہیں:

'' آپؒ نے اپنے والد (امام ابوحنیفہؒ) سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور اپنے زمانے میں فتاویٰ بھی دیے۔ آپؒ (امام) ابو یوسفؒ، (امام) محمدؒ، (امام) زفرؒ، (امام) حسن بن زیادؒ کے طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ پر زہد و تقویٰ کا بہت غلبہ تھا۔'' انتھیٰ (65)

تذکرہ زاہد (حضرت) ابراہیم بن ادھم بلخیؒ

(ملا) علی قاری، شمس الائمہ کردریؒ سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''(حضرت) ابراہیم بن ادھمؒ، امام (ابوحنیفہ) کے شاگرد ہیں اور اُن سے روایت بھی کی ہے۔ امام (ابوحنیفہؒ) نے ان کو نصیحت کی اور ان کو علم و عمل کو باہم جمع کرنے پر ابھارا تھا۔'' انتھٰی

دوسری نوع: امامِ ابوحنیفہ کے صحبت یافتہ فقہا محدثین کی جماعت کی اسانید

فصل (1): امام ابوحنیفہؒ کے صحبت یافتہ لوگوں کی اسانید

امامِ ابو یوسفؒ

آپؒ سے امامِ اہلِ سنت (امام) احمد بن حنبلؒ نے روایت کی ہے۔

اس کا ذکر (امام) ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں کیا ہے۔ (66)

امام محمد بن حسن (شیبانیؒ)

امام مالکؒ کے بعد امام المسلمین امام محمد بن ادریس شافعی نے آپؒ سے روایت کی ہے۔

اس کا تذکرہ حافظ ابن حجرؒ نے کیا ہے۔ (67)

امام عبداللہ بن مبارکؒ

حافظ (ابن حجرؒ) نے ''تهذيب (التهذيب)'' میں لکھا ہے:

''محمد بن مزاحم کہتے ہیں کہ میں نے (امام عبداللہ) ابن مبارک (68) کو فرماتے ہوئے سنا، وہ کہتے تھے کہ: ''لوگوں میں سے سب سے زیادہ فقہ جاننے والے (امام) ابوحنیفہ ہیں، میں نے فقہ میں ان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔'' اور یہ بھی فرمایا کہ: ''اگر اللہ تعالیٰ (امام) ابوحنیفہ اور (امام سفیان) ثوریؒ کے ذریعے میری مدد نہ فرماتا تو میں بھی عام لوگوں کی طرح ہوتا۔'' انتھٰی (69)

امام اسحاق (بن ابراہیم حنظلی مروزی المعروف) ابن راھویہؒ، (امام عبداللہ) ابن مبارکؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ (امام) ذہبیؒ ان کے حالاتِ میں لکھتے ہیں کہ:

''انھوں نے (امام عبداللہ) ابن مبارکؒ سے روایات سنی ہیں اس دور میں جب کہ وہ بچے تھے۔'' انتھٰی (70)

نیز انھوں نے امام بخاریؒ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ:

''امام بخاری کو (امام عبداللہ) ابن مبارکؒ کی تمام تصانیف اس وقت حفظ یاد ہوگئی تھیں، جب کہ ابھی وہ بچے تھے۔'' انتھٰی (71)

امام اسحاق بن ابراہیم حنظلی (المعروف ابن راھویہؒ) نے امام بخاریؒ کو ''جامع الصحیح'' کی جمع و تدوین کا مشورہ

دیا تھا۔ (اس کی دلیل وہ روایت ہے، جو شیخ حسین بن محسن انصاریؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے اپنے سلسلۂ سند کے ساتھ ہم سے بیان کی۔)

ہم سے شیخ حسین بن محسن انصاریؒ نے روایت کیا ہے، انھوں نے (شیخ) محمد بن ناصر حازمیؒ سے، انھوں نے (شیخ) محمد بن عابد سندھی سے، انھوں نے (شیخ) صالح فلانیؒ سے، انھوں (شیخ) محمد بن سنہؒ سے اور انھوں نے (شیخ) ابوعبداللہ شریفؒ سے روایت کی ہے۔

اسی طرح ہم سے شیخ الہندؒ نے روایت کیا ہے، انھوں نے شیخ عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ سے اور انھوں نے (شیخ) محمد عابد سندھیؒ سے روایت کی ہے۔

اسی طرح ہم نے (حضرت) شیخ الہندؒ سے راویت کی ہے، انھوں نے (شیخ) عبدالرحمٰن بن اہدلؒ سے، انھوں نے (شیخ محمد) ابن سنہؒ سے، انھوں نے (شیخ) ابوعبداللہ شریفؒ سے، انھوں نے (شیخ) ابن ارکماشؒ سے، انھوں نے حافظ ابن حجرؒ سے، انھوں (شیخ) ابوالعباس احمد بن عمر لولویؒ سے، انھوں نے حافظ ابوالحجاج مزیؒ سے، انھوں نے (شیخ) یوسف بن یعقوبؒ سے، انھوں نے (شیخ) ابویمین کندیؒ سے، انھوں نے (شیخ) ابومنصور قزازؒ سے، انھوں نے حافظ ابوبکر خطیبؒ سے، انھوں نے (شیخ) محمد بن احمد بن یعقوبؒ سے، انھوں نے (شیخ) محمد بن نعیمؒ سے، انھوں نے فرمایا: میں نے (شیخ) خلف بن محمد بخاریؒ سے سنا، انھوں نے فرمایا کہ: میں نے ابراہیم بن معقل تقیؒ سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ (امام) ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے کہا کہ:

''ہم (امام) اسحاق بن راہویہؒ کے پاس تھے، تو انھوں نے فرمایا کہ: ''کاش تم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث پر مشتمل ایک مختصر کتاب جمع کردو!'' (امام بخاری) فرماتے ہیں کہ: یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں نے ''جامع الصحیح'' میں احادیث جمع کرنی شروع کردیں۔''

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: امام عبداللہ بن مبارک نے امام ابوحنیفہؒ سے کئی روایات بیان کی ہیں، اور انھیں فقہائے حنفیہ نے لیا ہے۔

(امام) طحاویؒ فرماتے ہیں:

ہم سے ابوحامد احمد بن علی نیشاپوریؒ نے روایت کیا ہے، ان سے علی بن حسن رازیؒ نے، ان سے ابوسلیمان نے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے (امام عبداللہ) ابن مبارکؒ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ: میں نے امام ابوحنیفہؒ سے ایک ایسے آدمی کے بارے سوال کیا، جو اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے شہر میں خرچ کرنے کے بجائے دوسرے شہر میں بھیجتا ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں، جب کہ وہ اپنے رشتے داروں کی وجہ سے اپنے مال کی زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر بھیجتا ہے۔''

یہ بات میں نے (امام) محمد بن حسن کے سامنے بیان کی۔ تو انھوں نے فرمایا: ''یہ بات اچھی ہے

اور یہ (امام) ابوحنیفہ کا قول ہے۔ البتہ ہم نے اس سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ سے کچھ نہیں سنا۔'' ابوسلیمان فرماتے ہیں کہ: ''یہ بات (امام) محمد بن حسن (شیبانیؒ) نے اس طرح لکھی کہ: محمد بن حسن نے اس کو (امام عبداللہ) ابن مبارک سے سنا اور انھوں نے (امام) ابوحنیفہؒ سے سنا۔'' انتھیٰ

اس طرح امام محمد بن حسنؒ بھی ان سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ خطیب (بغدادیؒ) فرماتے ہیں:

''ہمیں حسن بن ابوبکر نے خبر دی، ان کو عبدالصمد بن علی بن محمد بن مکرمؒ نے، ان کو ابوبکر اسماعیل بن فضل بن موسیٰ بلخیؒ نے، ان کو محمد بن حسن (شیبانیؒ) نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ یعنی ابن مبارک نے خبر دی، ان کو شعبہ نے، ان کو شعیب بن حبحاب نے، ان سے (حضرت) انس (ابن مالکؓ) نے بیان کیا کہ: ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر بنایا۔''
ابوبکر اسماعیل بن فضل کہتے ہیں: شعیب (بن حبحاب) سے شعبہ کی روایت سوائے عبداللہ ابن مبارک کے اور کوئی نہیں کرتا، اس لیے یہ سند غریب ہے۔'' انتھیٰ (72)

امام وکیع بن جراح

(امام) ذہبیؒ ''تذکرۃ الحُفّاظ'' میں لکھتے ہیں:

''یحییٰ کہتے ہیں کہ: میں نے (وکیع بن جراح) سے زیادہ افضل کوئی شخص نہیں دیکھا کہ جو راتوں کو کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے اور (دن میں) مسلسل روزے رکھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔'' انتھیٰ (73)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ (امام) ذہبیؒ نے فرمایا:

''بعض ائمہ نے کہا ہے کہ (امام) ابوداوٗدؒ اَخلاق و عادات میں (امام) احمد بن حنبل کے مشابہ تھے، اور (امام) احمد بن حنبلؒ اَخلاق و عادات میں (امام) وکیع (بن جراحؒ) کے مشابہ تھے۔'' انتھیٰ (74)

اور (امام) ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحُفّاظ'' میں امامِ ابوحنیفہ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ:

''(امام) ابوداوٗد نے فرمایا کہ ''(امام) ابوحنیفہؒ بڑے امام تھے۔'' انتھیٰ (75)

(امام) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ

(امام) ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھتے ہیں کہ:

''حافظ یحییٰ بن زکریا ابوسعید ہمدانی وادعی امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور احادیث کی سند میں قابل اعتماد، ماہر اور فقیہ تھے۔ علی بن مدینی نے فرمایا: ''(امام) سفیان ثوریؒ کے بعد کوفہ میں ان (یحییٰ بن زکریا) کے سوا کوئی اور زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ اپنے زمانے میں علم کی انتہائی بڑی شخصیت یحییٰ

بن ابی زائدہ کی تھی۔'' انتھیٰ (76)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں: (امام عبدالقادر) قرشیؒ نے لکھا ہے:

''(امام) طحاویؒ کہتے ہیں کہ ابن ابی ثور نے مجھے لکھا کہ: مجھ سے سلیمان بن عمران نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں مجھ سے اسد بن فرات نے روایت کی، وہ فرماتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہ کے ایسے شاگرد، جنھوں نے کتابیں مدوّن کیں، چالیس آدمی تھے۔ ان میں سے دس متقدمین میں سے ہیں: (امام) ابویوسفؒ، (امام) زفرؒ، (امام) داؤد طائیؒ، اسد بن عمروؒ، یوسف بن خالد سمتیؒ، یحییٰ بن زکریا بن ابوزائدہؒ، یہ وہ حضرات ہیں کہ جو ان کے لیے تحریرات لکھا کرتے تھے۔'' انتھیٰ (77)

(امام) قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن مسعودیؒ

(امام عبدالقادر) قرشیؒ لکھتے ہیں:

''قاسم بن معنؒ، شریک بن عبداللہؒ کے بعد کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ آپؒ اُن افراد میں سے ایک ہیں، جن کے بارے میں امام ابوحنیفہ نے کہا تھا: ''تم میرے دل کا سرور ہو اور میرے غموں کو دور کرنے والے ہو۔ ...(امام) طحاویؒ فرماتے ہیں: ''ہمیں ابن ابی عمرانؒ نے بتایا کہ: قاسم بن معنؒ فقہ میں امام ہیں اور وہ امام ابوحنیفہؒ کے بڑے اہم شاگردوں میں سے ہیں۔'' انتھیٰ (78)

(امام) ذہبیؒ فرماتے ہیں:

''قاسم بن معنؒ سے روایت کرنے والوں میں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ، ابونعیمؒ اور دوسرے حضرات شامل ہیں۔...ابوحاتم فرماتے ہیں کہ: '' آپ ثقہ آدمی ہیں اور حدیث اور شعر کو لوگوں میں سے سب سے زیادہ روایت کرنے والے ہیں۔ اور عربی ادب اور فقہ کو بہت زیادہ جاننے والے ہیں۔'' انتھیٰ (79)

(امام) حفص بن غیاث نخعیؒ

(امام عبدالقادر) قرشی لکھتے ہیں:

''قاضی امام حفص بن غیاث امام (ابوحنیفہؒ) کے شاگرد تھے۔ آپؒ ان لوگوں میں سے ایک ہیں، جن کے بارے میں امام (ابوحنیفہ) نے فرمایا تھا: ''تم میرے دل کا سرور ہو اور میرے غموں کو دور کرنے والے ہو۔'' اور (امام) ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ (امام) ابوحفصؒ نے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق بخشی۔'' انتھیٰ (80)

حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' کے مقدمے میں لکھا ہے کہ:

''(علی) ابن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ: یحییٰ بن سعید قطانؒ کہا کرتے تھے کہ: (امام) حفص، (امام)

اعمشؒ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: میں اس کا انکار کرتا تھا، لیکن جب میں کوفہ پہنچا تو میرے سامنے ان کے بیٹے عمر (بن حفص) نے اپنے والد کی کتاب دکھائی، جو امامِ اعمش سے روایت کردہ تھی۔ اس کے بعد میں (یحییٰ بن سعید) قطانؒ کے لیے دعا کیا کرتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ: امامِ بخاریؒ نے امام اعمشؒ کی حدیث کے سلسلے میں امام حفصؒ پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ اس لیے کہ وہ اعمشؒ سے براہِ راست سنی ہوئی حدیثوں کے درمیان اور ان کی تدلیس (گڈمڈ) کردہ روایات کے درمیان فرق اور امتیاز کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس بات کی وضاحت ابوالفضل بن طاہر نے بھی بیان کی ہے۔'' انتھٰی (81)

(امام) مکی بن ابراہیم بلخیؒ

(امام عبدالقادر) قرشی لکھتے ہیں:

''(امام) مکی بن ابراہیمؒ تاجر تھے، امام (ابوحنیفہؒ) نے انھیں نصیحت کی تو انھوں نے تجارت چھوڑ دی اور امام (ابوحنیفہؒ) کی صحبت اختیار کرلی، یہاں تک کہ وہ خود امام بن گئے۔ اور بارہ سال تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔'' انتھٰی (82)

(امام) ذہبی ''تذکرۃ الحُفّاظ'' میں فرماتے ہیں:

''امام، حافظ مکی بن ابراہیم (بلخیؒ) نے یزید بن ابی عبیدؒ، (امام) جعفر صادقؒ، (امام) بہز بن حکیمؒ، (امام) ابوحنیفہؒ، ہشام بن حسانؒ، ابن جریجؒ اور بہت سے لوگوں سے روایات بیان کی ہیں۔ اور ان سے روایت کرنے والوں میں (امام) بخاریؒ، (امام) احمدؒ، (یحییٰ) ابن معینؒ اور (امام) ذہلیؒ شامل ہیں۔'' انتھٰی (83)

حافظ (ابن حجر) ''فتح (الباری)'' میں فرماتے ہیں:

''مکی بن ابراہیم، (امام) بخاریؒ کے بڑے مشائخ میں سے ایک ہیں۔'' انتھٰی (84)

(امام) ابوعاصم ضحاک نبیلؒ

(امام عبدالقادر) قرشیؒ لکھتے ہیں:

''(امام) صیمریؒ نے فرمایا: امام (ابوحنیفہؒ) کے شاگردوں میں سے (امام) ابوعاصمؒ ضحاک بن مخلد بھی ہیں۔'' انتھٰی (85)

(امام) ذہبیؒ ''تذکرۃ الحُفّاظ'' میں فرماتے ہیں:

''امام بخاریؒ نے بلخ میں مکیؒ بن ابراہیم سے حدیث کی سماعت کی اور بصرہ میں (امام) ابوعاصمؒ سے

حدیث کی سماعت اس وقت کی، جب کہ ان کے چہرے پر کوئی بال نہیں تھا۔'' انتھیٰ (86)

(امام) یحییٰ بن سعید قطان

(امام عبدالقادر) قرشیؒ فرماتے ہیں:

''خطیب (بغدادیؒ) نے ''تاریخ بغداد'' میں (یحییٰ) ابن معین سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے یحییٰ بن سعید قطان سے یہ سنا کہ: ''ہم (امام) ابوحنیفہؒ کے پاس بیٹھے تھے اور ان سے حدیث کی سماعت کر رہے تھے، اور اللہ کی قسم جب بھی میں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ اللہ سے بہت ڈرتے ہیں۔'' انتھیٰ (87)

(امام) ذہبیؒ نے (امام) وکیع کے تذکرے میں ''تذکرۃ الحُفّاظ'' میں لکھا ہے:

''یحییٰ کہتے ہیں کہ: یحییٰ (ابن سعید) قطانؒ (امام) ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔'' انتھیٰ (88)

امام یزید بن ہارون

(امام) ذہبی ''تذکرۃ الحُفّاظ'' میں امام ابوحنیفہؒ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

''(امام ابوحنیفہ) سے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے والوں میں (امام) وکیع (بن جراح) اور یزید بن ہارونؒ ہیں۔ اور ضرار بن مرو فرماتے ہیں کہ: یزید بن ہارون سے سوال کیا گیا کہ (امام سفیان) ثوری اور (امام) ابوحنیفہ میں سے کون زیادہ فقیہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: (امام) ابوحنیفہ زیادہ فقیہ ہیں اور (امام) سفیان (ثوریؒ) حدیث کے زیادہ حافظ ہیں۔ نیز یزید (بن ہارون) فرمایا کرتے تھے: میں نے (امام) ابوحنیفہ سے زیادہ پرہیزگار اور زیادہ عقل مند کسی اور کو نہیں دیکھا۔'' انتھیٰ (89)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: (امام) دارمیؒ اور ایک بڑی جماعت نے یزید بن ہارونؒ سے احادیث روایت کی ہیں۔

فصل (2): امام ابویوسفؒ، زفرؒ اور محمد بن حسنؒ کے شاگردوں کی اسانید

(امام) معلیٰ بن منصور رازیؒ

(امام عبدالقادر) قرشی لکھتے ہیں:

''انھوں نے امامِ ابویوسف اور امام محمد سے ان کی کتابیں اور امالی اور نوادر کی روایت کی ہیں اور اس سلسلے میں ان کے ساتھ (امام) ابوسلیمان جوزجانی بھی شریک ہیں۔ اور یہ دونوں حضرات زہد و تقویٰ،

دین داری، فقہ اور حدیث کو یاد کرنے میں بڑے اونچے مرتبے پر فائز ہیں۔'' انتھٰی (90)

(امام) ذہبیؒ ''تذکرۃ الحُفّاظ'' میں لکھتے ہیں:

''وہ اجتہاد اور حدیث میں جامعیت کے حامل، امامت کے منصب پر فائز تھے۔''

''کاشف'' میں لکھا ہے: عجلی فرماتے ہیں کہ: ''وہ بڑے ثقہ، سمجھ دار اور سنت پر عمل کرنے والے فرد تھے۔ لوگوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ انھیں قضا کا منصب سونپنا چاہا تو انھوں نے انکار کر دیا۔ آپؒ امامِ ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے بڑے شاگردوں میں سے ایک تھے۔'' انتھٰی (91)

امام شافعیؒ کے شاگرد معلّٰی بن منصور کی روایت، ابوثور ابراہیم بن خالد کلبیؒ کے واسطے سے لینے کے بعد امام ابوداؤدؒ ''سنن ابی داؤد'' میں فرماتے ہیں کہ:

''یحیٰی بن معین فرماتے ہیں: مُعلّٰی ثقہ ہیں، البتہ امام احمد بن حنبل ان سے روایت نہیں لیتے تھے، اس لیے کہ وہ اجتہاد اور رائے سے کام لیتے تھے۔'' انتھٰی سُنن ابی داؤد میں امام ابوداؤد کا قول مکمل ہوا۔ (92)

امام بشر بن ولید کندیؒ

(امام عبدالقادر) قرشی لکھتے ہیں:

''قاضی بشر بن ولید بن خالد بن ولید کندی مشہور لوگوں میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے امام مالک بن انس اور حماد بن زید وغیرہ سے روایات کی سماعت کی ہے۔ وہ امام ابو یوسف کے مخصوص شاگردوں میں سے ایک ہیں اور انھیں سے فقہ حاصل کی۔ وہ امام محمد بن حسن کی روایات کو آگے منتقل کرنے والے ہیں۔ لوگوں نے انھی کے ذریعے سے امامِ محمد کی فقہ، نوادر اور مسائل اس کثرت سے حاصل کی ہیں کہ اس سے زیادہ کثرت کے ساتھ جمع ہونا ممکن نہیں۔ آپؒ امامِ ابو یوسف سے بھی ان کی کتابیں اور ان کی امالی کو روایت کرنے میں سب سے آگے ہیں۔ آپ کا انتقال 288ھ (901ء) میں ہوا۔ ان سے روایت کرنے والے (امام) ابوداؤد بھی ہیں۔'' انتھٰی (93)

(امام ابوبکر احمد بن علی) خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ:

''مجھے علی بن ابی علی بصریؒ نے خبر دی اور انھیں ابوبکر محمد بن حمدان بن صبّاح نیشاپوریؒ نے خبر دی، ان سے بیان کیا احمد بن صلت نے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے قاضی بشر بن ولید (کندیؒ) سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ:

''ہم (امام سفیان) ابن عیینہؒ کے پاس تھے، جب ان کے سامنے کوئی مشکل مسئلہ آتا تو وہ کہا کرتے تھے کہ یہاں امامِ ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد ہے۔ چناں چہ بشر (بن ولید کندیؒ) سے کہا جاتا کہ اس مسئلے کا جواب دیجیے، تو اس پر میں جواب دیتا۔ تو وہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''دین کے سلسلے میں

فقہا کی بات کو تسلیم کرنے میں سلامتی ہے۔'' انتھٰی (94)

(امام) محمد بن عبداللہ بن مثنّٰی بن عبداللہ بن انس بن مالک بصری (انصاریؒ)

(امام عبدالقادر) قرشیؒ فرماتے ہیں:

''صیمری نے فرمایا کہ: امام زفرؒ کے مخصوص شاگردوں میں محمد بن عبداللہ انصاریؒ ہیں۔ اور خطیب فرماتے ہیں: کہ وہ امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ کے شاگردوں میں سے ایک ہیں۔'' انتھٰی (95)

(امام) ذہبیؒ ''تذکرة الحُفّاظ'' میں لکھتے ہیں:

''ساجیؒ فرماتے ہیں کہ: وہ ایک ایسے جلیل القدر عالم ہیں، جن پر اجتہاد اور رائے کا غلبہ ہے۔'' انتھٰی (96)

حافظ (ابن حجرؒ) ''فتح (الباری)'' کے مقدمے میں فرماتے ہیں:

''محمد بن عبداللہ بن مثنّٰی امام بخاریؒ کے قدیم مشائخ میں سے ہیں۔ ابن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ: ''علمائے اہل حدیث کے نزدیک ان کے اندر ضعف کی اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اجتہاد اور رائے پر ان کی نظر تھی۔ جہاں تک حدیث کی سماعت کا تعلق ہے، تو ان کا سماع اپنے مشائخ سے ثابت ہے۔'' انتھٰی (97)

آٹھویں قسم: خیر القرون پر مشتمل پہلے دور کے علما کی اسانید

یہ دور آغازِ ہجرت سے لے کر 35ھ (656ء) تک ہے یا آغازِ بعثت سے 48 بعثت (656ء) تک ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ ''ازالة الخفاء'' میں لکھتے ہیں:

''ایک بڑی جماعت ــــ جس میں (حضرت) عمرؓ، (عبداللہ) ابن مسعودؓ، عمران (ابن حصینؓ)، حذیفہ (ابن یمانؓ) وغیرہ شامل ہیں ــــ کی روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب تر ہوں، پھر وہ جو ان کے قریب تر ہوں۔ پھر ایسی قوم پیدا ہوگی، جن کا ایمان ان کی شہادتوں پر اور ان کی شہادتیں ان کے ایمان پر سبقت لے جائیں گی۔'' (98)

پس پہلا دور ہجرت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کے تبدیل شدہ حالات پر مشتمل ہے۔'' انتھٰی (99)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: ''خیر القرون'' والی حدیث کی ایسی تشریح ہم نے صرف امام ولی اللہ دہلویؒ کے ہاں پائی ہے۔ انھوں نے واضح دلائل کے ساتھ ''ازالة الخفاء'' میں اس تشریح کو اس طرح بیان کردیا ہے کہ

اس کے صحیح ہونے پر دل پوری مطمئن ہوجاتا ہے۔

ہم نے امام (ولی اللہ دہلویؒ) کے زمانے سے لے کر اب تک اپنے تمام مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ سب اس پر متفق ہیں۔ چناں چہ تفسیر، حدیث، فقہ، سلوک اور عقائد کے باب میں ان کے بیان کردہ تمام دینی معارف میں حدیث کی اسی تشریح کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ ولی اللّٰہی جماعت کے محققین اور پھر دیوبندی حضرات ''خیرالقرون'' میں حضرت عثمان کی شہادت سے پہلے کے زمانے کی تقلید کرنے اور اس کی اتباع کرنے کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ فقط

باب (1): ''خیرالقرون'' کے ائمہ ثلاثہ تک امام ابوحنیفہؒ کی اسانید

فصل (1): امام ابراہیم نخعیؒ اور (امام) عامر (بن شراحیل) شعبیؒ کی اسانید

امام ابوحنیفہؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ، حکم بن عتیبہؒ، منصورؒ اور اعمشؒ سے روایت کرتے ہیں، یہ چاروں حضرات امام ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ، امام عامر بن شراحیل شعبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: (امام) ذہبیؒ فرماتے ہیں:

''(امام) ابوحنیفہ کے بڑے مشائخ میں سے (امام عامر بن شراحیل) شعبیؒ ہیں۔'' انتھٰی (100)

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں سلیمان شیبانیؒ، سلمہؒ اور سعید بن مسروقؒ سے اور یہ تینوں (عامر بن شراحیل) شعبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ائمہ تک اسانید

امام ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں امام جعفر صادقؒ سے، وہ اپنے والد (امام) محمد باقرؒ سے اور وہ اپنے والد (امام) زین العابدین علیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں امام زید شہیدؒ سے، وہ اپنے والد (امام) زین العابدینؒ سے اور وہ اپنے والد (امام) حسین (بن علی) شہیدؓ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں نفس زکیہ محمد بن عبداللہ بن حسنؒ سے، وہ اپنے والد عبداللہؒ سے، وہ اپنے والد (حضرت) حسن بن حسنؒ سے، وہ اپنے چچا (امام) حسین (بن علی) شہیدؓ اور اپنے والد (امام) سید حسنؓ سے، یہ دونوں حضرات اپنے والد (امیر المؤمنین حضرت) علیؓ بن ابی طالب اور اپنی والدہ سیدۃ النسا فاطمہ زہراؓ سے، وہ ان (حسن و حسین) کے نانا سید الانبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(3): ائمہ آلِ عبداللہ بن مسعودؓ کی اسانید

(امام) ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں قاسم بن عبدالرحمٰنؒ سے، وہ اپنے والد عبدالرحمٰن بن عبداللہؒ سے اور وہ اپنے والد عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) ابوحنیفہ روایت کرتے ہیں معن بن عبدالرحمٰنؒ سے، وہ اپنے والد عبدالرحمٰنؒ سے اور وہ اپنے والد عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں عون بن عبداللہؒ سے، وہ عبیداللہ بن عبداللہؒ سے اور وہ اپنے والد عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ سے اور وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل(4): حضرات عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور (عبداللہ) بن مسعودؓ وغیرہ تک اسانید

امام ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابواسحاق سبیعیؒ سے، وہ (شیخ) عمرو بن میمون اودیؒ سے اور وہ (حضرت) عمرؓ (بن خطاب)، علیؓ (بن ابی طالب) اور (عبداللہ) ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) منصورؒ اور (شیخ) اعمشؒ سے، یہ دونوں حضرات ابووائلؒ سے اور وہ (حضرت) عمرؓ (بن خطاب)، (حضرت) عثمانؓ (بن عفان) علیؓ (بن ابی طالب) اور (عبداللہ) ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام (ابراہیم) نخعیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علقمہ بن قیسؒ سے اور وہ (حضرت) عمرؓ (بن خطاب)، (حضرت) عثمانؓ (بن عفان) علیؓ (بن ابی طالب) اور (عبداللہ) ابن مسعودؓ اور (حضرت) ابودرداؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام (ابراہیم) نخعیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) اسود بن یزید بن قیسؒ سے اور وہ (حضرات) عمرؓ، ابن مسعودؓ، معاذؓ اور حذیفہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام (ابراہیم) نخعیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ سے اور وہ (حضرات) عثمانؓ، علیؓ اور ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام (ابراہیم) نخعیؒ اور امام شعبیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) عبیدہ بن عمر سلمانیؒ سے اور (حضرات) علیؓ اور ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام (ابراہیم) نخعیؒ اور امام شعبیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) ربیع ابن خثیمؒ سے اور وہ (حضرات) ابن مسعودؓ اور ابوایوب (انصاریؓ) سے روایت کرتے ہیں۔

باب(2): نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک امام ابوحنیفہؒ کا سلسلۂ صحبت

فصل(1): (امام) ابراہیم نخعیؒ کا سلسلۂ صحبت

امام ولی اللہ دہلویؒ ''ازالۃ الخفاء'' میں فرماتے ہیں:

''ساتویں فصل: صوفیا کے اُس سلسلۂ صحبت کے تذکرے اور اس کے آج تک باقی رہنے میں ہے۔ یہ ایک ایسا سلسلہ ہے کہ جس کی ابتدا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اور حضرت امیر المؤمنین عمرؓ بن خطاب کے واسطے سے آج ہمارے زمانے تک پہنچا ہے۔

یہاں پر ہم اہل عراق کے سلسلۂ صحبت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس علاقے کے اکثر مسلمان صوفیا کے اس سلسلۂ صحبت کی طرف متوجہ رہے ہیں۔

سب سے پہلے ہم یہاں ایک نکتہ بیان کرتے ہیں، جسے اپنے پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں لوگوں کا اپنے مشائخ کے ساتھ ربط اور تعلق، (رسمی طور پر کسی) بیعت اور خرقۂ خلافت کے ذریعے سے نہیں ہوتا تھا، بلکہ اپنے مشائخ کے ساتھ لوگوں کا تعلق صرف صحبت کے حوالے سے ہوتا تھا۔ نیز اس زمانے میں لوگ صرف ایک ہی شیخ اور ایک ہی سلسلے سے وابستہ نہیں ہوتے تھے، بلکہ ان میں سے ہر ایک فرد بہت سے مشائخ کی صحبت میں بیٹھتا تھا اور بہت سے سلسلوں کے ساتھ ربط اور تعلق رکھتا تھا۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں ہوتا تھا کہ ان کا سلسلۂ صحبت، صحابہ میں سے صرف کسی ایک صحابی تک پہنچتا ہو۔ سوائے اس کے کہ ان میں سے کسی فرد کو، کسی ایک صحابی کے ساتھ زیادہ رغبت پیدا ہو جائے۔ اور لوگوں کے دلوں پر ان کے اثرِ صحبت کا زیادہ اعتراف پایا جاتا ہو۔ یا ان کی شہرت اس وجہ سے ہو کہ یہ فلاں (بلند مرتبہ صحابی) کے صحبت یافتہ افراد میں سے ہیں۔ اور یہ ان کی شناخت بن چکی ہو۔

مجھے ہمارے شیخ ابوطاہر (کردی مدنیؒ) نے خبر دی ہے اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے شیخ حسن عجمی مکیؒ سے، انھوں نے فرمایا کہ: میں نے اپنے شیخ، شیخ عیسیٰ مغربی سے سوال کیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ: کیا طالب کے لیے صرف ایک ہی شیخ ہونا چاہیے، جس سے وہ (وصول الی اللہ کا طریقہ) اخذ کرے؟ آیا وہ کسی دوسرے شیخ کی صحبت میں بھی جا سکتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ: ''الأب واحد و الأعمام شتّٰی.'' (باپ ایک ہی ہوتا ہے اور چچے بہت سے ہوسکتے ہیں۔)

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بلند مرتبت شخصیت اور ان کا سلسلۂ صحبت)

جب یہ نکتہ واضح کیا جا چکا تو جان لو کہ (حضرت) عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ میں سے بڑے بلند مرتبت

صحابی ہیں۔ آپ وہ صحابی ہیں، جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بشارتیں دی ہیں اور اُن کو اپنے بعد قرآن کی فہم و بصیرت، فقہ اور وعظ و نصیحت بیان کرنے میں اپنی امت پر اپنا قائم مقام بنایا ہے۔ وہ ہر وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے اور آپ ؐ کی خدمت کرنے کی وجہ سے معزز ترین صحابہ میں سے ہیں۔ اور صحابہ میں آپؓ ''صاحب السواد'' (آپ ؐ کا تکیہ سنبھالنے والے) اور ''صاحب السواک و المطهرہ'' (آپ ؐ کی مسواک اور لوٹے کو سنبھالنے والے) کے لقب سے مشہور تھے۔.....

(حضرت) عبداللہ بن مسعودؓ ان تمام فضائل و مناقب کے باوجود امیرالمؤمنین (حضرت) عمرؓ بن خطاب کی صحبت میں رہے۔ اور ان کے دل پر ان کی صحبت کے اثرات بڑے گہرے ہیں۔

ابوعمر روایت کرتے ہیں کہ (حضرت عبداللہ) ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ: ''اگر عرب کے تمام قبیلوں کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور (حضرت) عمرؓ کا علم دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو (حضرت) عمرؓ کے علم والا پلڑا بھاری ہوگا۔'' صحابہ کرامؓ یہ رائے رکھتے تھے کہ: ''10 میں سے 09 حصے علم (حضرت) عمر اپنے ساتھ ہی لے گئے۔'' نیز انھوں نے فرمایا کہ: ''ایک ایسی مجلس، جس میں مَیں حضرت عمرؓ کی خدمت میں بیٹھتا تھا، ایک سال بھر کے عمل سے زیادہ مجھ میں اعتماد اور استقامت پیدا کرتی تھی۔'' نیز انھوں نے فرمایا کہ: ''(کسی جگہ پہنچنے کے لیے) اگر تمام لوگ کسی ایک وادی کے راستے پر چلیں اور (حضرت) عمر کسی اور گھاٹی میں سے ہو کر جائیں تو میں (حضرت) عمر کی گھاٹی والا راستہ اختیار کروں گا۔''

(حضرت) ابوعمر فرماتے ہیں کہ: جب (حضرت) عتبہ بن مسعودؓ کا انتقال ہوا تو اُن کی وفات پر اُن کے بھائی (حضرت) عبداللہ بن مسعود روتے رہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ: کیا آپ رو رہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ: ''ہاں! اس لیے کہ وہ نسبی حوالے سے میرا بھائی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کے حوالے سے میرا ساتھی تھا۔ اور مجھے (حضرت) عمر بن خطاب کے سوا سب سے زیادہ محبوب تھا۔''

(حضرت عبداللہ بن مسعود کے صحبت یافتہ حضرات)

(حضرت) عبداللہ بن مسعود کے صحبت یافتہ کچھ ایسے حضرات ہیں، جو ''عبداللہ بن مسعود کے صحبت یافتہ اصحاب'' کے حوالے سے مشہور ہیں۔ ان کی پہچان اور شناخت اسی لقب سے ہے۔ وہ ایک طویل زمانے تک اُن کی صحبت میں رہے اور ان کی بزرگی اور بڑائی کا بڑی خوب صورتی کے ساتھ اظہار کرتے رہے۔ اور ان کی عظمتِ شان کی تعریف کرتے رہے۔

اُن میں: [۱] (حضرت) علقمہ بن قیس، [۲] (حضرت) اسود بن یزید نخعی، [۳] (حضرت) عمرو بن میمون اَوَدِی اور [۵] (حضرت) ربیع بن خثیم ہیں۔

اس کے بعد ان (چاروں) حضرات کے بھی صحبت یافتہ ایسے حضرات ہیں، جو اس حوالے سے مشہور

ومعروف تھے۔ ان کی شناخت اور پہچان بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ حضرت عبداللہ (ابن مسعود) کے صحبت یافتہ افراد کے صحبت یافتہ ہیں۔ ان میں سے [۱] (حضرت) ابراہیم نخعیؒ، [۲] (حضرت) ابواسحاق سُبیعیؒ، [۳] (حضرت) اعمشؒ اور [۴] (حضرت) منصورؒ ہیں۔

ان (چاروں) حضرات کی طویل عرصے تک صحبت اٹھانے والوں میں (حضرت) سفیان ثوریؒ ہیں۔ انھوں نے ان حضرات سے بہت زیادہ فیض حاصل کیا۔ یہی حال (حضرت) فضیل بن عیاضؒ کا بھی تھا۔

پھر ایک پوری جماعت ایسی ہے، جس نے (حضرت) سفیان ثوریؒ کی صحبت اٹھائی ہے۔ ان میں سے (حضرت) داوٗد بن نصر طائیؒ اور (حضرت) ابراہیم بن ادھم بلخیؒ ہیں۔

(حضرت) داوٗد (بن نصر) طائی کی صحبت میں (حضرت) معروف (کرخیؒ) رہے۔ اور ان کی صحبت میں (حضرت) سری سقطیؒ رہے، اور ان کی صحبت میں (سید الطائفہ حضرت) جنید بغدادیؒ رہے۔ اور ان کا سلسلہ اتنا مشہور ہے کہ بیان کی ضرورت نہیں ہے۔'' انتہٰی (101)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد اور صحبت یافتہ حضرات ان کی رائے اور فقہی اقوال سے بالکل بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے تھے۔ امام ذہبیؒ ''تذکرہ'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت عبداللہ ابن مسعود کا انتقال مدینہ منورہ میں 32ھ (653ء) میں ہوا۔ آپؓ کی عمر تقریباً 60 سال تھی۔ اور آپؓ کے شاگرد صحابہؓ میں سے کسی کو بھی آپؓ پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔'' انتہٰی (102)

فصل (2): حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں میں امام ابراہیم نخعیؒ تک امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کا سلسلۂ صحبت

جاننا چاہیے کہ امام ابوحنیفہؒ، حضرت عبداللہ بن مسعوؓد کے شاگردوں کی جماعت میں سے تھے۔ ان کی شناخت حضرت ابراہیم نخعیؒ کے علاوہ کسی طور بھی نہیں تھی۔ امام ولی اللہ دہلویؒ ''حجّة اللّٰه البالغه'' کے باب ''اسباب إختلاف الفقهاء'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''امامِ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ساتھیوں کے مذہب کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ آپ چند ایک مسائل کو چھوڑ کر ان کے مذہب کو نظرانداز نہیں کرتے تھے۔ آپ حضرت امام ابراہیم نخعیؒ کے اصولوں کی روشنی میں مسائل کی تخریج و استنباط میں بڑے عظیم الشان مرتبے پر فائز تھے۔ اصولِ کلیہ کی روشنی میں تخریج و تحقیق کے مختلف پہلوؤں کی نشان دہی میں انتہائی باریک بینی اور گہرائی سے کام لیتے تھے۔ آپ کی پوری توجہ فروعی مسائل کی تحقیق و نشان دہی کی طرف تھی۔

یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے، اس کی حقیقت اگر تم معلوم کرنا چاہتے ہو تو امام محمدؒ کی ''کتاب الآثار''،

"جامع عبدالرزاق"، **"مصنف ابن ابی شیبہ"** میں امام ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ساتھیوں کے فقہی اقوال کا خلاصہ نکال لو۔ اور پھر ان کا امامِ ابوحنیفہؒ کے مذہب کے ساتھ موازنہ کرو۔ تو آپ کو یہ بات معلوم ہوگی کہ چند ایک مقامات کو چھوڑ کر عام طور پر امام ابوحنیفہؒ (امام) ابراہیم نخعیؒ کے (اقوال و) دلائل سے ہٹ کر کسی طور پر بھی الگ رائے قائم نہیں کرتے۔ اور وہ چند ایک مقامات بھی ایسے ہیں، جن میں امام صاحب فقہائے کوفہ کے مذہب سے باہر نہیں جاتے۔

آپ کے مشہور ترین شاگردوں میں قابل ذکر (امام) ابو یوسف ہیں اور ان میں سے سب سے بہترین تصنیف و تالیف کرنے والے اور درس و تدریس کی پابندی کرنے والے (امام) محمد بن حسن (شیبانیؒ) ہیں۔ اور یہ دونوں حضرات بھی (امام) ابراہیم نخعیؒ ان کے ساتھیوں کے بیان کردہ دلائل کی اسی طرح پابندی کرتے ہیں، جس طرح کہ امامِ ابوحنیفہ کرتے ہیں۔'' انتہٰی **(103)**

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: یہ بات پوشیدہ نہیں رہنی چاہیے کہ امام داوٗد طائیؒ نے جیسے امام سفیان ثوریؒ کی صحبت اٹھائی ہے، ایسے ہی انھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے، بلکہ ان کی پہچان بھی اسی حوالے سے ہے۔ اسی لیے امام ذہبیؒ نے ان کا تذکرہ ان لوگوں میں کیا ہے، جنھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے فقہ حاصل کی۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ (سید الطائفہ حضرت) جنید (بغدادیؒ) کا سلسلۂ طریقت، امام ابوحنیفہؒ کے طبقے کے علما سے ہی پھوٹا ہے۔ رضی اللّٰہ عنھم.

فصل (3): صوفیا کی صحبت کے مختلف سلسلوں کی حکمت کا تذکرہ

امام ولی اللہ (دہلویؒ) **"ھمعات"** میں لکھتے ہیں:

''اس فقیر کو اس بات پر آگاہی ہوئی ہے کہ تصوف کے طریقوں میں چار بڑے تغیرات ہوئے ہیں:

(1۔ تصوف و احسان کا پہلا دور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے زمانے میں چند نسلوں تک اپنے اولین مقصد کے تحت اہل کمال کی زیادہ تر توجہ شریعت کے ظاہری احکام کی طرف رہی ہے۔ ان لوگوں کے دیگر باطنی مراتب انھی احکاماتِ شریعت کی پابندی میں ہی پوشیدہ تھے۔ چناں چہ ان بزرگوں کا ''احسان'' اور تصوف یہی تھا کہ وہ نماز پڑھتے، روزے رکھتے، ذکر و تلاوت کرتے، حج کرتے، صدقہ اور زکوٰۃ دیتے اور جہاد کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا، جو ایک گھڑی بھی سر نیچے کیے باطنی حوالے سے غور و فکر میں غرق نظر آتا۔ یہ بزرگ، خدا تعالیٰ سے قرب و حضوری کی نسبت حاصل کرنے کے لیے مخصوص اذکار و اعمال کو اپنا نصب العین نہیں بناتے تھے کہ صرف انھی کے ذریعے سے تربیت کے حصول

کی کوشش کریں۔ ہاں! البتہ ان اہل کمال بزرگوں میں سے محققین نماز اور ذکر و اذکار کے ذریعے مناجاتِ خداوندی کی لذت حاصل کرتے تھے۔ اور قرآن مجید کی تلاوت سے وہ نصیحت حاصل کرتے تھے۔ یہ حضرات بخل کی عادت سے چھٹکارا پانے کے لیے زکوٰۃ دیتے، یا غیرتِ خداوندی کا لحاظ کرتے ہوئے مال کی محبت کو غیراللہ میں مشغولیت قرار دے کر پورا مال اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے۔ اسی طرح شریعت کے دیگر احکامات اسی جذبے سے بجالاتے تھے۔

ان میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا، جو بے ہوش ہوتا ہو۔ نہ اسے وجد آتا اور نہ وہ جوش میں آکر کپڑے پھاڑنے لگتا۔ اور نہ ''شطح'' یعنی خلافِ شرع کوئی لفظ اس کی زبان سے نکلتا۔ یہ بزرگ تجلّی کے ظہور اور اس کے پوشیدگی وغیرہ کی کوئی خبر نہیں بیان کرتے تھے۔ ان کی رغبت و آرزو بہشت کی جانب تھی۔ اور ان میں ڈر اور خوف جہنم کی آگ کا تھا۔ کشف و کرامات اور خلافِ عادت امور ان سے بہت کم ظاہر ہوتے۔ اور سرمستی اور بے خودی کی کیفیت بھی شاذ و نادر ہی ان پر طاری ہوتی۔ اور اگر کبھی کبھی یہ باتیں ان سے ظاہر بھی ہوتیں تو محض اتفاق سے ایسا ہوتا تھا۔ نہ کہ اپنے ارادے سے وہ یہ امور ظاہر کرتے ہوں۔ جیسا کہ کسی مہارت اور ملکہ سے یہ کام سرانجام دیے جاتے ہیں۔

اس ضمن میں جب کبھی ان سے کوئی ایسی بات ظاہر ہوئی تو اس کی صورت یہ ہوتی کہ وہ جس چیز کو از روئے ایمان، قلب کی گہرائیوں سے مانتے تھے، وہ چیز بے اختیار ان کی زبان پر آجاتی، جیسا کہ ان صحابہ میں سے ایک (حضرت ابوبکرؓ جب مرض الموت کی حالت میں تھے، اور عیادت کرنے والوں نے ان سے کہا کہ کیا ہم آپ کے لیے طبیب کو بلائیں؟ تو انھوں) نے فرمایا تھا کہ: ''الطبيب أمرضني''. (''طبیب (یعنی اللہ تعالیٰ) ہی نے مجھے بیمار کیا ہے۔'') (104)

اس ضمن میں یہ بھی ہوتا تھا کہ یہ بزرگ خواب میں بعض چیزوں کو دیکھ لیتے یا فراست سے نامعلوم چیز کو معلوم کر لیتے، لیکن یہ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ عوام کی بھی ان تک رسائی ہو سکتی ہے۔

عام طور پر اس طبقے کے حالات ایسے ہی تھے، الاّ ما شاء اللّٰہ (سوائے چند ایک کے)

(2۔تصوف و احسان کا دوسرا دور)

سید الطائفہ (حضرت) جنید (بغدادیؒ) کے زمانے میں یا ان سے کچھ عرصہ پہلے (تصوف کے) ایک دوسرے رنگ کا فیضان ظاہر ہوا۔ چناں چہ اس زمانے میں عام لوگ تو اسی طریقے پر کاربند رہے، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، جب کہ خاص لوگوں نے بڑی جدوجہد اور مشقت آمیز ریاضتوں، دنیا سے مکمل قطع تعلق اور (اللہ کے ساتھ) دائمی مشغولیت کی وجہ سے چند دیگر کیفیات بھی حاصل کر لیں۔ اور وہ دل کا براہِ راست اللہ کے ساتھ تعلق کی نسبت کو حاصل کرنا تھا۔ یہ حضرات اسی کی طرف متوجہ ہو گئے اور

اسی کی تربیت اور مہارت حاصل کرنے میں لگے رہے۔ اور ایک طویل مدت تک اپنا سر جھکائے مراقبے کی حالت میں رہنے لگے۔ اور یوں تجلی کے ظہور اور پوشیدگی اور اُنس و وحشت کے احوال ان کے سامنے روشن تر ہو کر ظاہر ہونے لگے۔ یہ حضرات ان احوال کو نکات و اشارات کی صورت میں بیان کرتے تھے۔ ان میں سب سے سچے وہ بزرگ تھے، جنھوں نے اپنی زبان سے وہی کچھ بیان کیا، جو خود ان پر گزرتا تھا۔

ان میں سماع کی طرف رغبت رکھنے والے ہوتے تھے۔ بے خودی میں بے ہوش ہو جانے، کپڑے پھاڑنے اور جھوم اٹھنے کی حالت ان پر طاری ہو جاتی۔ ان سے فراستِ ایمانی اور وارد ہونے والے خیالات کی بنیاد پر گفتگو کا ظہور ہوتا۔ یہ لوگ مخلوق سے دور بھاگتے اور پہاڑوں اور صحراؤں کا رخ کرتے۔ کھانے پینے کی لذیذ چیزوں کو چھوڑ کر درختوں کے پتوں اور گھاس پھوس پر اکتفا کرتے۔ زیب و زینت کے ملبوسات چھوڑ کر کھردرے اور موٹے لباس پہنتے۔ نفس کے مکر و فریب، شیطان اور دنیا کی سازشوں کو اچھی طرح سمجھتے اور اپنے نفس کو بڑے مجاہدے میں ڈالتے۔ ان کے اخلاص کا حال یہ تھا کہ وہ خدا کی عبادت جہنم کے ڈر اور جنت کی لالچ میں نہیں کرتے تھے، بلکہ صرف اللہ کی محبت اور چاہت کی وجہ سے اس کی عبادت کرتے تھے۔

''توجہ'' کا یہ مطلب کہ: ''اپنے نفس کو ''حقیقت الحقائق'' کی جانب جامع طور پر متوجہ کر لیا جائے، یہاں تک کہ اللہ کا رنگ ان کے اندر پیوست ہو جائے اور اس کی صفتِ قدیم کائنات کی ناپائیداری پر غالب آ جائے۔'' اس زمانے میں واضح طور پر سامنے نہیں آیا تھا۔ اس میں کچھ چیزیں آپس میں مخلوط طور پر ملی ہوئی تھیں۔ ان میں کوئی آدمی ایسا نہیں تھا کہ اس معنی میں ''توجہ'' اس کے سامنے نصب العین کے طور پر ہو اور وہ اسی کی طرف واضح طور پر رہنمائی دیتا ہو۔ اور اس کا ایک متعین راستہ اس کے سامنے ہو۔ البتہ عبادت اور طاعتِ خداوندی کے انوار غالب تھے۔ اور ''توجہ'' کا یہ مفہوم اچانک چمکنے والی بجلی کی طرح کبھی کبھار ان کے سامنے ظاہر ہوتا تھا۔ ؎

شب خیال طرہ شوخے بدل پیچید و رفت
ساعتے ہم چوں شب قدر از برم جوشید و رفت

(رات کو صرف ایک گھڑی ایک شوخ خیال دل میں پیدا ہوا اور چلا گیا، کچھ اس طرح کہ جیسے شبِ قدر نے جوش مارا ہو اور پھر ختم ہو گیا۔)

(3۔ تصوف و احسان کا تیسرا دور)

سلطان الطریقت، شیخ ابوسعید بن ابوالخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانی کے زمانے میں (تصوف کی) ایک اور صورت کا فیضان ہوا۔ اس زمانے میں عام لوگ تو (شریعت کے) اعمال پر قائم رہے اور خاص لوگ قلبی

احوال پر عمل پیرا رہے۔ اور خاص الخاص لوگوں نے ایک ''جذبہ'' دریافت کرلیا کہ جس کے سبب سے انھیں مخصوص طریقے پر ''توجہ'' کے حصول کا طریقہ معلوم ہوا۔ اور اپنے ''وجود'' کے ''حجابات'' (پردوں) کو توڑنے کا راستہ ملا۔ یہاں تک کہ انھوں نے اس ''ذاتِ'' (الٰہی) تک رسائی حاصل کی، کہ جو تمام اشیا کی ''قیوم'' ہے۔ یہ لوگ اس ذات میں گم ہوگئے اور ان کے نفوس اسی کے رنگ میں رنگے گئے۔ چناں چہ اس حال میں نہ ان کو اوراد و وظائف کی چنداں ضرورت رہی اور نہ انھیں مجاہدے اور ریاضتیں کرنے اور نفس اور دنیا کے فریبوں کو جاننے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت رہی۔ ان کی تمام تر کوشش کا مقصد یہ ٹھہرا کہ جس طرح بھی ہو، اس ''توجہ'' کی نسبت کی تکمیل کریں۔ ''توجہ'' کے علاوہ باقی جو نسبتیں ہیں، یہ لوگ انھیں ''نورانی حجاب'' سمجھتے تھے۔

اس زمانے میں ''توحیدِ وجودی'' اور ''توحیدِ شہودی'' میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ درحقیقت ان بزرگوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ اس کیفیت کے حصول کے لیے اپنے نفس کو پامال کریں۔ ان کے پیشِ نظر یہ نہیں تھا کہ کائنات کے اصل حقائق، جیسا کہ وہ ہیں، ان کی تحقیق میں مشغول ہوں۔

(4۔ تصوف و احسان کا چوتھا دور)

ان حضرات کے بعد شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اور ان سے کچھ پہلے کا زمانہ آتا ہے۔ اس عہد میں ان اہلِ کمال بزرگوں کے ذہنوں میں مزید وسعت پیدا ہوتی ہے اور یہ لوگ کیفیات و احوال کی منزل سے آگے بڑھ کر حقائقِ تصوف کی بحث و تدقیق کرنے (اللہ تعالیٰ کی) "ذاتِ واجب الوجود" سے یہ کائنات کس طرح صادر ہوئی؟ ان بزرگوں نے "وجود" کے ظہور کے مختلف درجات اور "تنزّلات" دریافت کیے اور اس امر کی تحقیق کی کہ "واجب الوجود" سے سب سے پہلے کس چیز کا صدور ہوا؟ اور یہ صدورِ عمل کس طرح میں آیا۔ الغرض! یہ اور اس طرح کے دوسرے مسائل ان لوگوں کا موضوعِ بحث بن گئے۔

خلاصہ یہ کہ تصوف کی یہ چاروں جماعتیں دراصل ایک ہیں، لیکن اپنے اپنے رنگ کے اعتبار سے مختلف شکل و صورت رکھتے ہیں۔ باقی اللہ تعالیٰ ان کے حالات کو بہتر جانتا ہے۔

ان میں سے جب کوئی بزرگ اس دنیا سے انتقال کر جاتے ہیں تو (ان کے حالات کچھ اس طرح سے ہوتے ہیں:)

(الف) ان کے نفس میں ایک ایسی ''حالت'' جگہ پکڑ لیتی ہے، جو انھوں نے زندگی میں اپنی ہمت اور جدوجہد سے حاصل کی تھی۔ ان کے نفس کی یہ حالت ایک ایسے آئینے یا پانی کے ایک ایسے حوض کی مانند ہے، جس نے آفتابِ حقیقت (ذاتِ باری تعالیٰ) کا عکس پورے طور پر قبول کرلیا ہو۔

(ب) ان کا نفس دوسرے لوگوں کے لیے ایک ایسا راستہ کھولنے کا سبب بنتا ہے، جس سے "مبدءُ

المبادی''، یعنی خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ قریب ہو جاتا ہے۔

(ج) ان کے انوارات سے کائنات میں موجود تمام علوی اور سفلی موجودات روشن ہو جاتے ہیں۔ اس طور پر کہ جیسا کہ جب بادل چھا جائیں تو فضا کے اندر رطوبت اور نمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور زمین پر چلنے والی ہوا میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ ایسے ہی ان حضرات کے سبب سے زمین کی فضا اور ہوا کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے اور (محبتِ الٰہی کا) ایک خاص ارغونی رنگ کرۂ ارض پر اپنا فیضان کرتا ہے۔

الغرض! تصوف کے یہ چاروں راستے ملاءِ اعلیٰ میں سچائی کے قدم پر ہیں۔

یہ ضروری ہے کہ ہر ایک جماعت کے کلام کا مطلب ان کے ذوق کی مناسبت سے لینا چاہیے۔ ایک جماعت کی بات کو دوسری جماعت کے ذوق اور مزاج کے مطابق نہیں پرکھنا چاہیے۔'' انتھٰی **(105)**

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: ان (ادوار) کے ساتھ پانچویں (اور چھٹے) دور کا ہم اضافہ **(116)** کرتے ہیں۔

(5۔تصوف کا پانچواں دور)

پانچویں دور میں (تصوف کے) تیسرے اور چوتھے دور کے معارف کے درمیان فرق کی وضاحت پر مبنی تجدید کا ظہور ہوا۔ یہ دور سلطان جلال الدین محمد اکبر کے عہدِ سلطنت میں حضرت مجدد الف ثانی کے شیخ، امام (باقی باللہ) رضی الدین دہلویؒ کے زمانے سے امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ظہور تک کا دور ہے۔

(6۔تصوف کا چھٹا دور)

چھٹا دور وہ ہے، جو سلطان محی الدین محمد عالم گیر کے عہدِ سلطنت میں امام عبدالرحیم دہلویؒ کے زمانے سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک کا دور ہے۔ جو کہ تمام (ادوار اور) سلسلوں میں جمع و تطبیق کا دور ہے۔

غفر اللّٰہ لھم و رضی عنھم (اللہ تعالیٰ ان کی لغزشیں معاف فرمائے اور ان سے راضی ہو جائے)

(تکملہ کتاب از حضرت مصنف امام سندھیؒ)

''و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین و العاقبۃ للمتّقین و الصّلوٰۃ و السّلام علٰی سیّد محمّد و آلہٖ و اصحابہ و علٰی جمیع عباد اللہ الصالحین نھایۃ ما ینبغی ان یسألہ السائلون. تمت تبییض علٰی ید مؤلّفہٖ عبیداللّٰہ . ثامن/ رجب 1349ھ (29/ نومبر 1930ء) فی بلد اللّٰہ الحرام و الحمد للّٰہ الّذی بنعمتہ تتم الصالحات.''

(اس کتاب میں) ہماری آخری بات اور دعا یہی ہے کہ سب تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اور بہترین انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔ حضرت سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل، اصحاب اور اللہ کے تمام نیک

بندوں پر درود وسلام ہو، اتنا کہ جس کا سوال کرنا، سوال کرنے والوں کے لیے مناسب ہے۔

اس کتاب کے مؤلف عبیداللہ (سندھی) کے ہاتھوں 08/ رجب 1369ھ (29/نومبر 1930ء) کو اللہ کے محترم شہر (مکۃ المکرّمہ) میں اس کتاب کا نسخہ صاف ہوکر تیار ہوگیا۔ اس پر اُس اللہ کی حمد وثنا ہے کہ جس کے انعامات کی وجہ سے نیکی کے تمام کام پورے ہوتے ہیں۔

تکملہ ترجمہ

مترجم عرض پرداز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ''التمهيد لتعريف ائمّة التجديد'' کے اس حصے ''سبيل الرشاد'' کی تصنیف کے ٹھیک 81 سال بعد اس کا ترجمہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس ترجمے کی تکمیل 29/نومبر 2011ء/ 03/محرم الحرام 1433ھ کو بروز منگل، اشراق کے وقت ہوئی۔ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دینی شعور وآ گہی کے حوالے سے اس کتاب سے پورا پورا فیض حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

''التمهيد'' کا ترجمہ تقریباً بارہ سال پہلے غالباً 1999ء میں اپنے آبائی شہر ہارون آباد ضلع بہاولنگر میں قیام کے دوران شروع کیا تھا۔ ابتدائی چند ابواب کا ترجمہ اسی زمانے میں ہوگیا تھا، لیکن اپریل 2001ء میں لاہور منتقل ہوجانے کے بعد ادارہ رحیمیہ کی تعمیر و ترقی کے سلسلے میں مصروفیات کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ اس طرف بالکل توجہ نہیں دی جاسکی۔ 2009ء میں سہ ماہی مجلّہ ''شعور وآ گہی'' کے آغاز سے اس ترجمے کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔ چناں چہ گزشتہ دو سالوں میں سفر وحضر میں اس کتاب کے ترجمے کا کام جاری رہا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ تقریباً بارہ تیرہ سال بعد اس کتاب کے ترجمے کی تکمیل بھی آج ہارون آباد میں اپنے آبائی مکان پر ہی ہو رہی ہے۔

و الحمد لله علىٰ ذالک حمداً كثيراً طيباً مباركاً.

☆☆☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

1۔ تلخیص از تاریخ فقہ۔ تالیف: علامہ شیخ محمد خضری بک۔ (اردو ترجمہ ص:192) طبع: دارالاشاعت، کراچی۔

2۔ (حاشیہ از حضرت سندھیؒ:) میں نے ''مسئلہ خلق قرآن'' کے بارے میں اس بحث کا تذکرہ کیا ہے۔ اس حوالے سے خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں: ''ہمیں خبر دی ابوعبداللہ احمد بن عبداللہ کاتب نے، انھیں خبر دی ابراہیم بن یحییٰ مزکی نے، ان سے روایت کیا ابوالعباس محمد عبدالرحمٰن سرخسی نے، وہ فرماتے ہیں کہ: ہم سے بیان کیا عبداللہ بن جعفر بن خاقان مروزی سلمیؒ نے، انھوں نے فرمایا کہ: ''ابوقدامہ کہتے ہیں کہ: بغداد کے تمام اہل الرائے اور رافضی امام احمد بن حنبل کی مخالفت میں ایک دوسرے کے معاون تھے۔ سوائے (قاضی) بشر بن ولید کندی کے، جو اہلِ عرب میں سے تھے۔'' انتھٰی (دیکھئے! تاریخ بغداد از حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی۔ ج:07۔ ص:85۔ طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت) عبیداللہ (سندھی)

3۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ نے ''القول الجمیل'' کے ''حاشیۂ منہیہ'' میں لکھا ہے کہ: ''طریقت کے تمام سلسلوں کا نتیجہ ''نسبت'' کا حصول ہے۔ اور پھر اس نسبت کی دو قسمیں ہیں: (1 تشبّہ بالملائکہ، 2 تطلُّع الی الجبروت) پھر ''تطلُّع الی الجبروت'' کی چند اقسام شمار کی ہیں۔ اور پھر ان اقسام کا قاعدہ کلیہ بتلایا ہے۔ ان باتوں پر اچھی طرح غور وفکر کروتا کہ تم کامیابی حاصل کرسکو۔'' (دیکھئے! حاشیہ ''القول الجمیل'' (اردو)۔ ص:141۔ طبع رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

4۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے حاشیے میں لکھا ہے کہ: ''میں نے حضرت والد صاحب مصنف قدس سرہٗ سے سنا ہے کہ: ''صحابہ اور تابعین کی نسبت کے بارے میں فیصلہ کن قول یہ ہے کہ وہ ''نسبت احسانیہ'' ہے۔ اور یہ نسبت، ''طہارت'' اور ''نسبتِ سکینہ'' سے مرکب ہے۔ نیز اس میں ''سماحت''، ''تقویٰ'' (اِخبات الی اللہ) اور ''عدالت'' کی برکات بھی شامل ہیں۔ ان حضراتِ صحابہ کے کلام کا اصلی محمل اور ان کے خاص و عام کا اولین مطمحِ نظر یہی نسبت ہے۔ اب حضراتِ صحابہؓ کے احوال واقوال کو، جو کچھ ہم نے بتایا ہے، اسی پر محمول کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ان کے تمام حکایات اور قصص و واقعات اس کی گواہی دیتے ہیں۔

اور میں نے حضرت مصنف (والدِ گرامی) قدس سرہٗ سے سنا ہے، وہ فرماتے تھے کہ: ''میں نے آئمہ اہل بیتؓ کی ارواح کا مشاہدہ کیا کہ وہ ایک دوسرے کے دامن میں چنگل مارے ہوئے ہیں۔ اور عالمِ ارواح میں ان کا سلسلہ عجیب رسوخ و پختگی اور بہترین طریقے سے حظیرۃ القدس کے ساتھ متصل ہے۔ اور ہم نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ ان حضرات کی باتیں خارج کی نسبت سے عالمِ ارواح کے باطن در باطن میں زیادہ تر موجود ہیں۔'' و اللّٰہ أعلم (حوالہ بالا)

5۔ رواہ مالکؒ فی المؤطا، ''باب النظر فی الصلوٰۃ إلی مایشغلک عنھا''، ص83. طبع قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

6۔ رواہ البخاری، حدیث، 660، ''باب من جلس فی المسجد''، ص140، طبع بیروت.

7۔ دیکھئے! تذکرۃ الحفاظ. امام ذہبیؒ۔ ج:01۔ ص:13۔ طبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

8۔ رواہ النسائی، ''باب البکاء فی الصلوٰۃ''، حدیث1214، ص197، طبع بیروت.

اس حدیث پر حاشیے میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ لکھتے ہیں کہ: ''حدیث میں آیا ہے کہ: ''جو آدمی اللہ کے خوف سے رویا، وہ اُس وقت تک دوزخ میں داخل نہ ہوگا، جب تک کہ دودھ تھن کی شکل اختیار نہ کرجائیں (یہ عربوں کا ایک محاورہ ہے کہ کسی بات کے محال ہونے کے لیے یہ مثال استعمال کرتے ہیں۔ یعنی دودھ کبھی بھی تھن کی شکل اختیار نہیں کرتے۔ اس لیے اُس کا دوزخ میں جانا محال ہے۔) اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت زیادہ رونے والے فرد تھے۔ آپؓ جب قرآن حکیم پڑھتے تھے تو اتنا روتے

تھے کہ آنسو آنکھوں سے نہ تھمتے تھے۔ اور حضرت جبیر ابن مطعم نے فرمایا کہ: ''جب میں نے یہ آیت: ''اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ'' (35:52) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تو خوف سے میرا دل اُڑ گیا۔''

9۔ رواه البخاری، حدیث6983، باب رؤیا الصالحین، ص1415، طبع بیروت، لبنان.

10۔ رواه مالکؒ فی المؤطا، ''باب فی الرؤیا''، ص724، طبع قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

11۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے حاشیے میں لکھا ہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سالکوں کے خواب کی تعبیر بیان فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ صبح کی نماز کے بعد مسجدِ نبویؐ میں تشریف فرما ہوتے۔ اور ارشاد فرماتے کہ تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟'' تو اگر کوئی خواب بیان کرتا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعبیر بیان فرماتے تھے۔''
(دیکھئے! القول الجمیل۔ص:141۔طبع لاہور)

12۔ رواه البخاری، حدیث5018، ''باب نزول السکینه و الملائکه عند قرأة القرآن''، ص1058، طبع بیروت.

13۔ رواه الترمذی، حدیث3127، ''باب و من سره الحجر''، ص863، طبع بیروت.

14۔ رواه الترمذی، حدیث3854، ''باب مناقب البراء ابن مالک''، ص1044. طبع بیروت، لبنان.

15۔ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل۔ از امام شاہ ولی اللہ دہلوی (اردو ترجمہ) فصل:07۔ص:133 تا 140۔طبع: لاہور۔

16۔ (حاشیہ از حضرت سندھیؒ) شیخ ابوالفضل عبدالواحد بن شیخ عبدالعزیز تمیمیؒ: ابن جوزی نے ان دونوں باپ بیٹے کا تذکرہ حنابلہ کے تیسرے طبقے میں کیا ہے۔ اور شیخ ابوسعید مخرمیؒ کا تذکرہ ساتویں طبقے میں کیا ہے۔ اور قطب (شیخ عبدالقادر جیلانی) کا تذکرہ فقہائے حنابلہ کے مسلک کو اختیار کرنے والوں کے آٹھویں طبقے میں سے کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ عبیداللہ (سندھی)

17۔ سید الطائفہ حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید قواریری بغدادیؒ: آپؒ کا آبائی خاندان ''نہاوند'' کا رہنے والا ہے۔ آپؒ کی پیدائش اور پرورش بغداد میں ہوئی۔ وہیں آپؒ نے علم حدیث اور علم فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ امام ابوثورؒ سے فقہ حاصل کی اور شیخ حارث محاسبیؒ، شیخ سری سقطیؒ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ آپؒ اپنے زمانے میں شیخ وقت اور علم الاحوال والکلام میں یکتائے روزگار تھے۔ آپؒ کا طریقہ وعظ و نصیحت کا تھا۔ آپؒ کی بہت سی کرامات منقول ہیں۔ ابوالقاسم کعبیؒ آپؒ کے بارے میں کہتے ہیں کہ: میری آنکھوں نے ان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔ علم حدیث لکھنے والے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے الفاظ لکھتے تھے۔ ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے معانی اور مفاہیم کے پُر از حکمت ہونے کی وجہ سے فلاسفہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور متکلمین ان کے علم سے رہنمائی لینے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ ان کی گفتگو لوگوں کے فہم، ان کے کلام اور ان کے علم سے بہت مختلف اور بلند پایہ ہوتی تھی۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: ''شیخ جنید بغدادیؒ وہ پہلے آدمی ہیں، جنھوں نے سلسلۂ طریقت وضع کیا اور اس کے قوانین اور قواعد مرتب اور مدون کیے۔ پھر بعد میں آنے والے تمام سلسلہ ہائے طریقت کے لوگ ان قوانین کی تشریح کرتے رہے۔ اس طرح انھوں نے قوتِ حال کا دروازہ کھول دیا۔''
(تفہیماتِ الٰہیہ۔ تفہیم نمبر139۔ ج:02۔ص:158۔طبع: حیدرآباد، سندھ)
آپؒ کا انتقال 298ھ (911ء) میں ہوا۔ آپؒ کی نمازِ جنازہ میں ساٹھ ہزار انسانوں نے شرکت کی تھی۔
(دیکھئے! تاریخ بغداد۔ تالیف: خطیب بغدادی۔ ج:04۔ص:249 تا 256۔طبع: دار الکتب العلمیه، بیروت)

18۔ امام ابوعبداللہ، احمد بن محمد بن حنبل شیبانی، مروزیؒ: آپؒ کی پیدائش بغداد میں ربیع الاول/ 164ھ (780ء) میں ہوئی۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ آپؒ کی پیدائش مرو میں ہوئی اور دودھ پینے کی حالت میں ہی آپؒ کو بغداد لایا گیا۔ آپؒ امام المحدثین ہیں۔ آپؒ کو ایک لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔ آپؒ امامِ شافعیؒ کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ مصر جانے تک امام شافعیؒ کی

صحبت میں رہے۔ امامِ شافعیؒ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ: ''میں بغداد سے جا رہا ہوں اور اپنے پیچھے احمد بن حنبل سے زیادہ فقیہ اور متقی کسی آدمی کو چھوڑ کر نہیں جا رہا۔'' آپؒ کو معتصم باللہ کے زمانے میں ''خلق قرآن'' کے مسئلے میں بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ آپؒ کو 220ھ (835ء) میں رمضان کے آخری عشرے میں کوڑے مارے گئے اور قید کیا گیا۔ واثق باللہ نے آپ کو نظر بند رکھا، متوکل باللہ کے زمانے میں آپؒ کی یہ آزمائش ختم ہوئی۔ آپؒ سے علم حدیث حاصل کرنے والوں کی بہت بڑی جماعت ہے، جن میں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ، امام مسلم بن حجاج نیشاپوریؒ وغیرہ ہیں۔ آپؒ کا انتقال 12/ربیع الاول 241ھ (855ء) میں جمعہ کے دن، چاشت کے وقت ہوا اور بابِ حرب کے مقبرے میں آپؒ کو دفن کیا گیا۔ آپؒ کے جنازے میں آٹھ لاکھ انسانوں نے شرکت کی، جن میں ساٹھ ہزار عورتیں تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ: جس دن آپؒ کا انتقال ہوا، اُس دن بیس ہزار عیسائی، یہودی اور مجوسی مسلمان ہوئے۔

(دیکھئے! **وفیات الأعیان لإبن خلّکان**۔ ج:01۔ ص:65-63۔ طبع: دارِ صادر، بیروت)

19۔ امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی طوسیؒ: آپؒ کی کنیت ''ابوحامد'' اور لقب ''زین الدین'' ہے۔ آپؒ بڑے متکلم اسلام تھے۔ ''حجۃ الاسلام'' آپؒ کا لقب ہے۔ خراسان کے قریب طوس کے نزدیک ایک بستی میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے طوس اور نیشاپور میں علوم کی تکمیل و تحصیل کی، اس کے بعد نظام الملک سے ملاقات ہوئی۔ نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ بغداد کی تدریس آپؒ کے سپرد کی۔ 484ھ (1091ء) میں بغداد گئے۔ وہاں بہت عزت اور قدر و منزلت پائی۔ اس کے بعد اپنے اختیار سے تعلیم و تدریس کا یہ سلسلہ منقطع کر دیا اور زہد و انقطاع کے طریقے کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا۔ 488ھ (1095ء) میں حج ادا کیا۔ پھر شام واپس آئے، ایک مدت تک وہاں رہے۔ پھر بیت المقدس تشریف لے گئے، پھر مصر چلے گئے اور اسکندریہ میں کافی دیر تک قیام رہا۔ اس دوران مخلوق سے خلوت اختیار کی اور مفید کتابیں لکھیں۔ آپؒ کو تصوف، فقہ، علم کلام اور علم فلسفہ میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل تھی۔ مدرسۂ نظامیہ بغداد میں پڑھاتے رہے۔ آپؒ نے فلاسفہ کے ردّ میں ایک اہم ترین کتاب **''تھافۃ الفلاسفہ''** لکھی، جس میں اُن کے نظریات کا بڑی اچھی طرح ردّ کیا۔ تصوف اور فلسفے پر آپؒ کی اہم ترین کتابیں **''المنقِذ من الضلال''** اور **''إحیاء علوم الدین''** ہیں۔ آپؒ کا انتقال 14/جمادی الاخریٰ 505ھ/1111ء میں ہوا۔

(دیکھئے! **نفحات الانس**۔ تالیف: مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ۔ اردو ترجمہ، ص:94-493۔ طبع: صادق آباد۔ نیز المنجد فی الاعلام)

20۔ شیخ ابوعلی رودباریؒ: ان کا نام احمد بن محمد ہے اور یہ کسریٰ ایران کی اولاد میں سے ہیں۔ اصل میں بغداد کے رہنے والے ہیں، پھر مصر میں رہائش پذیر ہوگئے۔ آپ اہل مصر کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ وہیں آپ کا انتقال 322ھ (934ء) میں ہوا۔ اور حضرت ذوالنون مصریؒ کے قریب ''قرافہ'' میں دفن ہوئے۔ انھوں نے حضرت جنید بغدادیؒ، نوریؒ اور ابوحمزہ بغدادیؒ کی صحبت اٹھائی ہے۔ آپؒ حدیث کے حافظ تھے۔ ظریف الطبع اور طریقت کے عارف اور ماہر تھے۔ آپؒ اپنے مشائخ پر بڑا فخر کیا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ: تصوف میں میرے شیخ جنید بغدادیؒ ہیں، فقہ میں شیخ ابوالعباس بن سریج اور ادب میں شیخ ثعلب اور حدیث میں ابراہیم حربی ہیں۔ (دیکھئے! **طبقات الکبریٰ**، از شیخ عبدالوہاب شعرانی۔ ج:01۔ ص:106۔ طبع: مصر)

21۔ شیخ ممشاد دینوریؒ: آپؒ بڑے مشائخ میں سے ہیں۔ صوفیا کے تیسرے طبقے سے آپؒ کا تعلق ہے۔ آپ نے یحییٰ ابن الجلا اور ان سے بڑے مشائخ کی صحبت اٹھائی ہے۔ آپ بڑے بلند حالت نسبت رکھتے تھے۔ آپؒ حضرت جنید بغدادیؒ، رویمؒ اور نوریؒ وغیرہ حضرات کے ہم زمانہ تھے۔ آپ کا انتقال 297ھ (910ء) میں ہوا۔

(حوالہ بالا۔ ج:01۔ ص:102۔ نیز **نفحات الانس** (اردو)۔ ص:200)

22۔ شیخ، شہاب الدین، ابوحفص عمر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمویہ قرشی تیمی، بکری، سہروردیؒ: حضرت ابوبکر صدیق رضی

اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔آپؒ کی ولادت رجب/ 533ھ(1139ء) میں سہرورد میں ہوئی۔آپؒ بڑے فقیہ اور صوفی تھے اور بہت سے علوم پر عبور رکھتے تھے۔پھر بغداد تشریف لے آئے۔آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔تصوف میں آپؒ کی نسبت اپنے چچا شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہرورد یؒ سے تھی۔آپؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی صحبت میں بھی رہے اور ان کے علاوہ بہت سے مشائخ سے ملے ہیں۔سہروردی سلسلہ آپؒ ہی کے ذریعے سے جاری ہوا۔آپؒ کی تصانیف میں ''**عوارف المعارف**''، ''**رشف النصائح**'' اور ''**اعلام الهدیٰ**'' وغیرہ ہیں۔''**عوارف المعارف**'' آپؒ نے مکہ مکرمہ میں لکھی۔جب کوئی مسئلہ انھیں سمجھ نہ آتا تو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے، خانۂ کعبہ کا طواف کرتے اور حق جاننے کی توفیق کی دعا کرتے تو مسئلہ کھل جاتا۔آپؒ اپنے وقت میں بغداد کے شیخ الشیوخ تھے۔آپ کا انتقال یکم/محرم الحرام 632ھ/ 1234ء کو بغداد میں ہوا۔

(دیکھئے! **معجم المؤلفین**۔ازعمر رضا کحالہ۔ج:07۔ص:313۔طبع: بیروت۔

نیز **نفحات الانس**۔تالیف: مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ۔اردو ترجمہ،ص:27-626۔طبع: صادق آباد)

23۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم کلاباذی بخاریؒ: آپؒ بڑے محدث ہیں۔آپؒ کو بہت سے علوم پر عبور حاصل تھا۔آپؒ کی تصنیفات میں ''**بحر الفوائد**''، ''**کتاب التعرف لمذهب التصوف**'' اور ''**حديث اربعين**'' وغیرہ ہیں۔آپؒ کا انتقال 380ھ/ 990ء میں ہوا۔(دیکھئے! **معجم المؤلفین**۔ج:08۔ص:13-212۔طبع: بیروت)

24۔ سلطان العارفین شیخ ابویزید طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان بسطامیؒ: آپؒ صوفیا کے پہلے طبقے کے بزرگوں میں سے تھے۔آپؒ شیخ احمد خضرویہ، شیخ ابوحفص اور شیخ یحییٰ معاذ کے ہم زمانہ تھے۔انھوں نے شیخ شقیق بلخیؒ کی زیارت کی ہے۔حضرت بایزید کے شیخ، شیخ کردیؒ تھے۔آپؒ کے دل میں اپنے شیخ کا اتنا ادب تھا کہ مرنے سے پہلے انھوں نے وصیت کی کہ میری قبر شیخ کی قبر سے نیچی رکھنا۔شیخ حافظ ابونعیم اصفہانی لکھتے ہیں کہ: ''آپ محدودات کے دائرے سے غائب ہو کر محسوسات و معدومات کے موجد کی طرف متوجہ تھے۔مخلوق سے جدا اور حق کی موافقت کرنے والے تھے۔آپؒ کی عبارات بہت گہری اور پوشیدہ معانی کی جامع تھی۔ان کو سمجھنے والے کے لیے بڑی ترقی کا باعث ہیں اور اس کے انکار کرنے والے کے لیے بڑا فتنہ پیدا کرنے والی ہیں۔آپؒ کا انتقال 261ھ(875ء) میں ہوا۔

(دیکھئے! حیاتِ صوفیا۔ص:151۔نیز **حلية الأولياء للحافظ ابونُعَيم اصفهانی**۔ج:10۔ص:34۔طبع: بیروت)

25۔ امام احمد بن محمد بن احمد ابوحسین بغدادی قدوریؒ: آپؒ کی پیدائش 362ھ(973ء) میں ہوئی۔آپؒ بغداد کی ایک بستی ''قدورہ'' کی طرف نسبت رکھتے ہیں۔اپنے زمانے میں علمائے احناف کے سربراہ تھے۔آپؒ نے شیخ محمد بن یحییٰ جرجانیؒ، امام بصاص رازیؒ اور امام کرخیؒ کے واسطے سے امام محمدؒ سے فقہ پر تعلیم و تربیت حاصل کی۔آپؒ فقہ کی مشہور کتاب ''**المختصر للقدوری**'' کے مصنف ہیں۔آپؒ کا انتقال 05/رجب 428ھ(1036ء) میں اتوار کے روز ہوا۔آپؒ کی دیگر تصنیفات میں ''**شرح مختصر الكرخی**'' اور ''**التجريد**'' سات جلدوں میں ہے۔اسی طرح ''**كتاب التقريب**'' بھی آپؒ کی ایک اہم تصنیف ہے۔ (دیکھئے! **الفوائد البهيه فی تراجم الحنفيه**۔ص31-30۔طبع: کراچی)

26۔ شیخ عتبہ: ان سے مراد شیخ عتبہ بن خثیمہ بن محمد ابوالہیثم نیشاپوریؒ ہیں۔یہ بہت سے قاضیوں اور فقہا کے استاد ہیں۔فقہ، درس و تدریس اور فتویٰ میں بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔خراسان میں کوفیوں (احناف) کے مذہب پر کوئی قاضی ایسا نہیں، جس کی نسبت ان کی طرف نہ جاتی ہو۔انھوں نے قاضی الحرمین احمد بن محمد نیشاپوریؒ سے علوم حاصل کیے اور ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والی ایک جماعت، جن میں عمادالاسلام صاعد بن محمد بن احمدؒ اور ہیثم بن ابوالہیثمؒ ہیں۔

(دیکھئے! **الفوائد البهيه**۔ص:115۔طبع: نور محمد، کراچی)

27۔ شیخ ابوالحسن عبید اللہ بن حسین کرخیؒ: انھوں نے فقہ کی تعلیم شیخ ابوسعید بردعیؒ سے حاصل کی۔ انھوں نے شیخ اسماعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہؒ سے اور انھوں نے اپنے دادا امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ سے تعلیم حاصل کی۔ امام ابوحازمؒ کے بعد احناف کی سربراہی انھی کے پاس آ گئی تھی۔ آپؒ بڑے اونچے طبقے کے فقہا میں سے ہیں۔ آپؒ کا شمار مجتہدین فی المسائل میں سے ہوتا ہے۔ آپؒ کی تصنیفات میں ''المختصر''، ''شرح جامع الصغیر'' اور ''شرح جامع کبیر'' شامل ہیں۔ آپؒ کی پیدائش 260ھ (874ء) میں ہوئی اور آپ کا انتقال 340ھ (952ء) میں 15/شعبان کی رات کو ہوا۔ آپؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں میں امام ابوبکر احمد جصاص رازیؒ وغیرہ ہیں۔ (الفوائد البهيه۔ ص:108۔ طبع: نور محمد، کراچی)

28۔ شیخ ابوطاہر محمد بن محمد بن سفیان دباسؒ: آپؒ عراق میں اہل سنت والجماعت کے بڑے ائمہ اور فقہا میں سے تھے۔ آپؒ نے قاضی ابوحازم عبدالحمیدؒ کے واسطے سے امام محمدؒ سے فقہی تعلیم حاصل کی۔ آپؒ امام عبید اللہ کرخیؒ کے ہم عصر لوگوں میں سے ہیں۔ حفظِ روایات میں آپؒ کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ شام کے منصبِ قضا پر بھی آپؒ فائز رہے۔ وہاں سے مکہ تشریف لے گئے اور وہیں آپؒ کا انتقال ہوا۔ ''الأشباه و النظائر'' کے مصنف نے قواعدِ فقہیہ کی تشکیل میں آپؒ کی ایسی حکایات بیان کی ہیں، جو آپؒ کی ذہانت و فطانت پر دلالت کرتی ہیں۔ (دیکھئے! الفوائد البهيه۔ ص:187۔ طبع: کراچی)

29۔ امام، شیخ ابومحمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب بن حارث سبذمونیؒ: آپؒ کی پیدائش آخر ربیع الاول 258ھ (872ء) میں ہوئی۔ آپؒ نے امام محمدؒ سے دو واسطوں سے فقہی تعلیم حاصل کی۔ امام سمعانیؒ کہتے ہیں کہ: ''آپؒ بہت زیادہ کثیر الحدیث تھے اور اس حوالے سے بڑے مشہور اساتذہ میں سے ہیں۔ آپؒ کی تصنیفات میں ''کشف الآثار الشریفہ فی مناقب ابی حنیفہ'' ہیں۔ سمعانی کہتے ہیں کہ: ''سبذمون'' بخارا کے قریب ایک قصبے کا نام ہے۔'' امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے رسالہ ''الإنتباہ'' میں آپؒ کو ''اصحاب الوجوہ'' میں سے شمار کیا ہے۔ (دیکھئے ''الإنتباه من سلاسل اولياء اللّٰه'' المعروف ''اتحاف النبيه فيما يحتاج للمحدث و الفقيه. ص:131۔ طبع: مکتبہ سلفیہ، لاہور۔ 1969ء) اور ''اصحاب الوجوه'' کی تشریح کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ ''الإنصاف'' میں لکھتے ہیں: ''اصحابِ وجوہ'' کا درجہ ''مجتہد منتسب'' اور ''مجتہد مذہب'' کے درمیان ہے۔ وہ فقہی علوم میں اس طرح مشغول ہوتے ہیں کہ مجتہدین کے دیے ہوئے فقہی جوابات کو تفصیلی دلائل کی روشنی میں سمجھتے ہیں اور ان کے ماخذ کی تحقیق و تنقیح کرتے اور ان میں ترجیح کا تعین کرتے ہیں۔ اور یہ بہت اونچے درجے کا کام ہے۔'' (دیکھئے! الإنصاف فی سبب الإختلاف. باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة. ص:43۔ طبع: هبة الأوقاف بحكومت الپنجاب. 1911ء) آپؒ کا انتقال شوال 340ھ (952ء) میں ہوا۔ (دیکھئے! الفوائد البهيه۔ ص:104 تا 106)

30۔ شیخ امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی ازدیؒ: آپؒ بڑے جلیل القدر امام اور تمام عالم میں مشہور ہیں۔ آپؒ کی پیدائش 10/ ربیع الاول 229ھ (843ء) میں اتوار کی رات ہوئی۔ آپؒ نے زیادہ تر تعلیم اپنے ماموں شیخ اسماعیل بن یحییٰ مزنیؒ تلمیذ امام شافعیؒ سے حاصل کی۔ امام طحاویؒ کی امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں پر بڑی گہری نظر تھی۔ آپؒ نے فقہ کی تعلیم شیخ ابوجعفر احمد سے حاصل کی، پھر شام جا کر وہاں کے قاضی القضاۃ شیخ ابوخازم عبدالحمیدؒ سے امام محمدؒ کی فقہ پر عبور حاصل کی۔ آپؒ احادیث اور روایات کے بڑے ائمہ میں سے ہیں۔ آپؒ کی بڑی اہم جلیل القدر تصانیف ہیں۔ جن میں ''احکام القرآن''، ''معانی الآثار''، ''مشکل الآثار''، ''شرح جامع کبیر'' اور بہت سے دیگر تصانیف ہیں۔ مصر کی سرزمین میں ایک بستی ''طحیہ'' کی طرف نسبت کی وجہ سے آپؒ ''طحاوی'' کہلاتے ہیں۔ امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ''بُستان المُحدّثین'' میں لکھتے ہیں کہ: ''آپؒ کی تصنیف ''مختصر الطحاوی'' آپؒ کے مجتہد ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ آپؒ مذہب حنفی کے مقلدِ محض نہیں تھے۔'' (بُستان المحدّثین۔ ص:151۔ طبع: قرآن محل، کراچی) آپؒ کا انتقال محرم 321ھ (933ء) میں ہوا۔ (دیکھئے! الفوائد

البھیہ۔ص:31 تا 34۔طبع: کراچی)

31۔ شیخ، امام ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بلخی، ہندوانیؒ: آپؒ بڑے شیخ اور جلیل القدر امام ہیں۔ آپؒ کا تعلق اہل بلخ سے ہے۔ زہد و تقویٰ، ذہانت و فطانت اور فقہ و فتاویٰ میں آپؒ کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ آپؒ کو فقہ میں اونچا مقام حاصل ہونے کی وجہ سے ''ابوحنیفہ صغیر'' بھی کہا جاتا ہے۔ آپؒ نے بلخ میں احادیث پڑھائیں، مشکل مسائل میں فتاویٰ دیے اور اُلجھے ہوئے مسائل کی توضیح کی۔ آپؒ نے امام ابوبکر اعمشؒ سے فقہ حاصل کی۔ فقیہ ابواللیثؒ، نصر بن محمدؒ اور ایک بہت بڑی جماعت نے آپؒ سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ آپؒ کا انتقال بخارا میں 362ھ (973ء) میں ہوا۔ (دیکھئے! الفوائد البھیہ۔ص:179۔طبع: کراچی)

32۔ مسلم شریف میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: **عن جابر ابن سمرة، قال: إنطلقت إلٰى رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه و سلّم و معى أبى، فسمعتهٔ يقول: "لا يزال هٰذا الدين عزيزًا منيعًا إلٰى إثنى عشر خلفية." فقال: كلمة صمّنيها النّاس، فقلت لأبى: ما قال؟ قال: كلّهم من قريش. (صحيح مسلم. كتاب الإمارة۔ حدیث نمبر 4710)**

بخاری شریف میں اس کے الفاظ یہ ہیں: **"يكون إثنا عشر اميرًا كلّهم من قريش." (صحيح بخارى. كتاب الأحكام۔ حدیث نمبر 23-7222)**

33۔ امام، ابوالحسن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علیؓ بن ابوطالب: آپؒ کی پیدائش 129ھ (746ء) میں منگل کے روز طلوعِ فجر سے پہلے ہوئی۔ آپؒ کا زیادہ تر قیام مدینہ منورہ میں رہا۔ خلیفہ مہدی عباسی نے آپؒ کو وہاں سے بغداد بلوا کر گرفتار کرلیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد رہا کر کے واپس مدینہ بھیج دیا۔ ہارون الرشید کے زمانۂ خلافت تک آپؒ مدینہ منورہ میں رہے۔ رمضان 179ھ (795ء) میں ہارون الرشید جب عمرے کے لیے آیا تو وہاں سے واپسی پر امام موسیٰ کاظمؒ کو اپنے ساتھ بغداد لے گیا اور آپؒ کو دوبارہ جیل میں بند کردیا، یہاں تک کہ قید کی حالت میں ہی آپؒ کا وہاں انتقال 25/ رجب 183ھ (799ء) میں ہوا۔ آپؒ کا مزار بغداد میں ہے۔

(دیکھئے! وفيات الأعيان لإبن خلّكان۔ج:05۔ص:308 تا 310۔طبع: بیروت)

34۔ امامِ اعظم امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان کوفیؒ: آپؒ کے پوتے حضرت اسماعیل بن حماد نے آپؒ کا سلسلۂ نسب اسی طرح بیان کیا ہے۔ نیز انھوں نے بیان کیا کہ: ''ہم آزاد فارسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور اللہ کی قسم ہم پر کبھی غلامی نہیں آئی۔'' وہ فرماتے ہیں کہ: ''میرے دادا 80ھ (699ء) میں پیدا ہوئے اور ان کے والد ثابت حضرت علیؓ کی خدمت میں بچپن میں حاضر ہوئے تھے تو انھوں نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی تھی۔ اور ہمیں پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کی ہمارے بارے میں دعا کو قبول کرلیا۔'' اسماعیل بن حماد یہ بھی کہتے ہیں کہ: امامِ اعظم کے دادا نعمان بن مرزبان وہ شخص ہیں، جنھوں نوروز مہرجان کے دن حضرت علیؓ بن ابوطالب کی خدمت میں فالودہ پیش کیا تھا۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: ''ہمارا مہرجان روزانہ ہونا چاہیے۔'' امامِ ابوحنیفہؒ نے چار صحابہ: حضرت انس ابن مالکؓ، عبداللہ بن ابواوفی کو کوفہ میں پایا ہے اور حضرت سہل بن سعد سعدی کو مدینہ میں پایا اور حضرت طفیل بن عامر بن واصلہ کو مکہ مکرمہ میں پایا۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد کہتے ہیں کہ: آپؒ نے صحابہؓ کی ایک جماعت سے ملاقات بھی کی ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے۔ امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ نے امام حماد بن ابوسلیمانؒ سے فقہ حاصل کی اور حضرت عطا بن ابورباح، ابواسحاق سبیعی، محارب بن دثار اور ہیثم بن حبیب اور نافع مولیٰ عبداللہ ابن عمر، ہشام ابن عروہ وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپؒ سے روایت کرنے والوں میں امام عبداللہ ابن مبارک، امام وکیع بن جراح، امام قاضی ابویوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی وغیرہ حدیث اور فقہ کی روایت کرتے ہیں۔ امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ بہت بڑے عالم، عامل، زاہد، عبادت گزار، اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے، متقی، پرہیزگار اور ہر

دم اللہ کی طرف متوجہ رہنے والے تھے۔

بنوامیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کے زمانے میں کوفہ کے گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ نے آپؒ کو کوفہ کا قاضی مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تو امام صاحبؒ نے منصبِ قضا قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس پر اس نے آپؒ کو ایک سو کوڑے لگوائے۔ روزانہ دس کوڑے لگتے تھے اور اس کے بعد قاضی بننے کے بارے پوچھا جاتا تھا، لیکن آپؒ انکار کردیتے تھے۔ آپؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد کہتے ہیں کہ: ایک دفعہ میں اپنے والد حماد کے ساتھ کوفہ کے ایک محلے کناسہ سے گزرا، تو وہ رونے لگے۔ میں نے پوچھا: اے ابا جان! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ: یہ وہ جگہ ہے، جہاں ابن ہبیرہ نے میرے والد کو دس دن تک روزانہ دس دس کوڑے لگوائے کہ وہ منصبِ قضا قبول کرلیں، لیکن انھوں نے یہ منصب قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ کو جب کوڑے لگے تو آپؒ کو امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ بہت یاد آئے اور آپؒ نے ان کے لیے رحمت کی دعا کی اور رونے لگے۔

خلیفہ ابوجعفر منصور نے امامِ اعظم امام ابوحنیفہ کو کوفہ سے بغداد منتقل کردیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ آپؒ کو وہاں کا قاضی بنائے، لیکن امام صاحب نے انکار کردیا۔ خلیفہ نے قسم اٹھائی کہ وہ انھیں ضرور قاضی بنا کر رہے گا۔ امام ابوحنیفہؒ نے قسم اٹھائی کہ وہ کبھی قاضی نہیں بنیں گے۔ خلیفہ کے وزیرِ اعظم ربیع بن یونس نے امام ابوحنیفہؒ سے کہا کہ: امیر المؤمنین نے قسم اٹھائی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''امیر المؤمنین کے لیے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت سے زیادہ آسان ہے۔'' اس پر خلیفہ ابوجعفر منصور نے آپؒ کو جیل میں ڈال دیا۔

امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ بہت خوش شکل اور حسین آدمی تھے۔ آپؒ کی مجلس بہت عمدہ ہوتی تھی۔ اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کے ساتھ بہت ہی مہر و محبت اور کرم سے پیش آتے تھے۔ آپؒ لوگوں سے بہت عمدہ اور بہترین لہجے میں گفتگو کرنے کے عادی تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ: کیا آپؒ نے امام ابوحنیفہؒ کو دیکھا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ: ہاں! میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ اگر وہ تمھارے ساتھ اس ستون کے بارے میں یہ بحث کرے کہ یہ سونے کا بنا ہوا ہے تو اس پر دلائل کے انبار لگا سکتے ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: ''تمام لوگ ان پانچ آدمیوں کے خوشہ چین ہیں۔ جو آدمی فقہ میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ امام ابوحنیفہؒ کی عیال میں سے ہے اِسے ان کی خوشہ چینی کرنی چاہیے۔ امام ابوحنیفہؒ وہ آدمی ہیں، جن کو (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) فقہ میں کام کرنے کی توفیق ہوئی ہے۔ جو شعر و شاعری میں مہارت حاصل کرنا چاہے تو اِسے زہیر ابن ابوسلمہ کا خوشہ چین ہونا چاہیے۔ جو سیر اور مغازی میں مہارت حاصل کرنا چاہے، تو اُسے محمد بن اسحاق کا خوشہ چین ہونا چاہیے۔ اور جو نحو میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے (امام) کسائی کا خوشہ چین ہونا چاہیے۔ اور جو تفسیر میں مہارت حاصل کرنا چاہے، اُسے مقاتل بن سلیمان کا خوشہ چین ہونا چاہیے۔

امام ابوحنیفہ مجتہدین مطلق میں سے بڑے بلند مقام پر فائز ہیں۔ آپؒ کا انتقال ماہِ رجب 150ھ (767ء) میں بغداد میں قید کی حالت میں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ: جس دن آپؒ کا انتقال ہوا، اُسی دن امام شافعیؒ کی پیدائش ہوئی۔

(دیکھئے! وفیات الأعیان لابن خلّکان۔ ج:05۔ ص:405 تا 414۔ طبع: بیروت)

35۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ج:01۔ ص:126۔ طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

36۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''القول الجمیل'' میں لکھتے ہیں: ''اگر فنِ حدیث کے اصولوں پر جانچا جائے تو (حضرت حسن بصری کا حضرت علیؓ سے براہِ راست علم حاصل کرنے میں) بڑی بحث اور گفتگو ہے۔'' (ص:102) نیز حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ''القول الجمیل'' کے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ: ''تاریخی اعتبار سے حضرت حسن بصریؒ کی ملاقات، حضرت علیؓ سے ثابت نہیں ہے۔'' (القول الجمیل (اردو ترجمہ) فصل 05۔ ص:109۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

37۔ امام زید بن علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب: ان کی کنیت ابوالحسن ہے اور ان کی والدہ سندھی ہیں۔ ہشام بن عبدالملک کے زمانۂ خلافت میں 122ھ (740ء) میں انھوں نے حکومت کے خلاف خروج کیا۔ ان کے مقابلے پر یوسف بن عمر ثقفی اور عباس مری کو بھیجا گیا۔ ان میں سے ایک آدمی نے انھیں تیر مارا اور اسی حالت میں آپؓ شہید ہوگئے۔ اور آپؓ کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ (دیکھئے! معارف ابن قتیبہ۔ ص:216۔ طبع: دارالکتب)

38۔ ''اسعاف المبطّأ برحال المؤطا'' ملحق مؤطا امام مالک۔ تالیف: امام سیوطیؒ۔ ص:744۔ طبع: قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

39۔ تهذيب التهذيب، از حافظ ابن حجر عسقلانی ج:02۔ ص:177۔ طبع: دارالحدیث، قاہرہ، مصر۔

40۔ ''عقیدۂ ارجاء'' کی حقیقت اور اس سلسلے میں امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''تفهيماتِ الٰهيه'' میں لکھتے ہیں:

''ارجاء'' کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ ''جو آدمی زبان سے اسلام کا اقرار کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے، اس کو گناہوں کی وجہ سے کوئی سزا نہیں ہوگی۔'' اس عقیدے کا حامل فرد اہل سنت و الجماعت کے دائرے سے خارج ہوجاتا ہے۔ جب کہ اِرجاء کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان کا یہ اعتقاد ہو کہ ''اگرچہ ''عمل''، ''ایمان'' کا حصہ نہیں ہے، لیکن عملی طور پر ہونے والے گناہوں کی وجہ سے وہ سزا و جزا کا مستحق ضرور ہوتا ہے۔'' ارجاء کی یہ وہ قسم ہے، کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا فرد اہل سنت والجماعت کے دائرے سے خارج نہیں ہوتا۔

امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ دوسری قسم کا مسلک رکھنے والے لوگوں میں سے ہیں۔ آپؒ اہل سنت و الجماعت کے بڑے ائمہ میں سے ہیں۔ ہاں! البتہ اُن کے مذہب کو اختیار کرنے والے اور فروعی مسائل میں اُن کی اتباع کرنے والوں کی آرا اس سلسلے میں مختلف ہیں۔ حنفیوں میں ''معتزله'' بھی ہیں، جیسا کہ جبائی، ابوہاشم، (علامہ) زمخشری وغیرہ۔ ان میں ''مرجئه'' بھی ہیں اور ان کے علاوہ دیگر فرقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی ہیں۔ یہ تمام لوگ فقہ کے فروعی مسائل میں امامِ ابوحنیفہؒ کے متبعین میں سے ہیں، لیکن یہ تمام لوگ اُن کے تمام اعتقادی اصول کی اتباع نہیں کرتے، بلکہ اپنے مذہب کو پھیلانے کے لیے اپنے بعض غلط عقائد امامِ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، کی طرف منسوب کرتے اور امامِ ابوحنیفہ کے بعض اقوال کو اپنے ساتھ متعلق قرار دیتے ہیں۔ اسی لیے اس کی وضاحت کے لیے حنفی لوگوں میں سے اہل حق حضرات اٹھ کھڑے ہوئے، جیسا کہ امام طحاویؒ وغیرہ ہیں۔ انھوں نے امامِ ابوحنیفہؒ کا مذہب صاف طور پر بیان کیا اور جو غلط باتیں ان کی طرف لوگوں نے منسوب کردی تھیں، ان کی تردید کی ہے۔''

(دیکھئے! تفهيماتِ الٰهيه۔ ج:01۔ تفہیم نمبر12۔ ص:34-33۔ طبع: حیدرآباد، سندھ)

41۔ اعلام الأخيار من فقهاء مذهب النعمان. از محمود بن سليمان كفوى، التوفى 990ھ/ 1582ء۔

42۔ حافظ عبدالقادر قرشی کی رجال پر کتاب ''الجواهر المضيئه'' میں بشر بن غیاث مریسی کے تذکرے میں یہ عبارت نہیں ہے۔

43۔ امام ابراہیم بن میمون صائغ مروزیؒ: یہ امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ اور عطا ابن ابی رباحؒ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حسان بن ابراہیمؒ، امام نسائیؒ اور امام ابوداؤدؒ ہیں۔ امام نسائی نے ''سنن نسائی'' میں ان کے بارے میں کہا کہ: ''ان سے حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں۔'' یحییٰ ابن معین کہتے ہیں کہ: ''یہ ثقہ ہیں۔'' ابن حبانؒ نے بھی ان کا تذکرہ ثقہ لوگوں میں کیا ہے۔ امام سمعانیؒ کہتے ہیں کہ: یہ بڑے فقیہ اور فاضل آدمی تھے۔ ابومسلم خراسانی نے انھیں 131ھ (749ء) میں مرو میں شہید کردیا تھا۔ (دیکھئے! الجواهر المضيئة۔ ج:01۔ ص:50-49۔ طبع: میر محمد کتب خانہ، کراچی)

علامہ ذہبیؒ نے ''سير اعلام النبلاء'' میں لکھا ہے کہ: ''یزید نحوی نے فرمایا کہ: میرے پاس ابراہیم صائغؒ آئے اور مجھ سے کہا کہ: کیا تو دیکھ رہا ہے یہ طاغوتی جماعت کیسے کام کر رہی ہے؟ کیا ہم اہل علم کے سوا باقی لوگ اس (ابومسلم خراسانی) کے ساتھ

مال و دولت کی وجہ سے نہیں ہیں؟ میں نے ان سے کہا کہ: ''اگر میں جانتا کہ میری جانب سے صحیح بات کہنے اور بُری بات کے روکنے پر وہ (ابومسلم خراسانی) میرے ساتھ مکالمہ کرے گا یا جھگڑا کرے گا تو میں ضرور ایسا کرتا، لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں ہم پر کوئی مصیبت نہ آجائے۔ میں بوڑھا آدمی ہوں اور ایسی مصیبت برداشت کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔'' اس پر (ابراہیم) صائغ نے کہا کہ: میں تو اس کام سے باز آنے والا نہیں ہوں۔ چناں چہ وہ (ابومسلم خراسانی) کے پاس گئے اور صحیح بات کا حکم دیا اور غلط باتوں سے روکا تو اس نے انھیں قتل کردیا۔''

(دیکھئے! **سیر اعلام النبلاء**۔ ج:05۔ تذکرہ ابومسلم خراسانی۔ ص:334۔ طبع: **دار الکتب العلمیه، بیروت**)

44۔ احکام القرآن۔ از امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازیؒ۔ تفسیر سورۃ آلِ عمران، "**باب فرض الأمر بالمعروف و النهی عن المنکر**"۔ ج:02۔ ص:33۔ طبع: سہیل اکیڈمی، لاہور۔

45۔ ابومحمد، حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: آپؓ کی پیدائش رمضان المبارک 03ھ (625ء) میں ہوئی۔ (الکامل فی التاریخ۔ ج:2۔ ص:166) اپنے والدِ گرامی امیر المؤمنین حضرت علی بن ابوطالب کے بعد آپؓ کی بیعت کی گئی اور آپ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے۔ آپؓ نے کوفہ میں نے 41ھ (661ء) میں قیام فرمایا۔ آپؓ کے ذریعے سے مسلمانوں کی جماعتوں کے درمیان صلح ہوئی۔ صلح کے بعد خلافت حضرت امیر معاویہؓ کی طرف منتقل ہوگئی۔ آپؓ کی خلافت کا زمانہ چھ مہینے اور پانچ دن ہے۔ امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کے بعد حضرت حسنؓ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا: ''سب سے بہترین دانائی تقویٰ ہے اور سب سے بڑی حماقت اجتماعیت کو توڑنا ہے۔ یہ معاملہ، جس میں حضرت معاویہؓ کا اختلاف تھا، یہ ایک ایسا سیاسی حق ہے، جو یا تو ایسے آدمی کے پاس چلا گیا، جو مجھ سے زیادہ حق دار تھا، یا میرا حق تھا اور میں نے اسے حضرت امیر معاویہؓ کے لیے اس ارادے سے چھوڑ دیا، تاکہ امت کی بھلائی ہو اور مسلمانوں کا خون بہنے سے محفوظ رہے۔'' اس کے بعد حضرت حسنؓ مدینہ میں قیام پذیر رہے، یہاں تک کہ آپؓ کا انتقال ربیع الاول 49ھ (669ء) میں ہوا۔ اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپؓ کا انتقال 50ھ (670ء) میں ہوا۔ حضرت سعید بن العاص نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ (دیکھئے! **وفیات الأعیان لإبن خلّکان**۔ ج:02۔ ص:66-65۔ طبع: دار صادر، بیروت)

46۔ حضرت زید بن علی (امام زین العابدین) بن حسین بن علی بن ابوطالب: آپؒ نے اپنے متبعین سے جو بیعت لی، اس کے الفاظ یہ تھے: ''ہم تمھیں دعوت دیتے ہیں کتاب اللہ اور سنتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ظالموں سے جہاد کرنے، کمزوروں کا دفاع کرنے اور غریب اور محروم لوگوں کو عطا کرنے اور بیت المال کے مال کو تمام لوگوں پر مساوی طور پر تقسیم کرنے، ظلم کو ختم کرنے اور اہل بیت کی مدد کرنے کی۔ چناں چہ تقریباً پندرہ سے چالیس ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت کی، لیکن جب لڑائی کا موقع آیا تو اکثر لوگ آپؒ کی بیعت توڑ کر الگ ہوگئے۔ اور ان سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں اعتراضات کرنے شروع کردیے اور امام جعفر صادق کی اتباع کا دعویٰ کرنے لگے۔ اس پر امام زیدؒ نے بیعت توڑنے والے ان لوگوں کو ''رافضی'' قرار دیا۔ سب سے پہلے ''رافضی'' کا لقب امامِ زیدؒ نے ہی ایسے لوگوں کو دیا، جنھوں نے ان سے بیعت کر کے توڑی اور انھیں دھوکا دیا۔ ساتھ آنے والوں کے الگ ہوجانے کی وجہ سے امامِ زیدؒ اور چند ساتھی باقی بچے اور لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔

(دیکھئے! **الکامل فی التاریخ لإبن الأثیر**۔ ج:05۔ ص:233 و 43-242۔ طبع: بیروت)

47۔ حضرت زید بن علیؒ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ بن زیدؒ کوفہ سے خراسان چلے گئے تھے۔ آپؒ بلخ میں ہریش بن عمر کے پاس قیام پذیر رہے اور وہاں سے اپنی تحریک خراسانیوں میں چلاتے رہے۔ یوسف بن عمر ثقفی والیِ عراق نے خراسان کے والی نصر کو خط لکھ کر انھیں گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ نصر نے گرفتار کر کے انھیں خراسان سے نکال دیا تو یہ سرخس چلے گئے۔ وہاں کچھ دن

قیام پذیر رہے، وہاں سے بھی انھیں نکال دیا گیا تو یہ بیہق چلے گئے۔ پھر نیشا پور تشریف لے گئے۔ وہاں کے حاکم سے ان کی لڑائی ہوئی۔ ان کے ساتھ صرف ستر آدمی تھے۔ اس وجہ سے یہ شکست کھا گئے اور انھیں 125ھ (743ء) میں شہید کر دیا گیا۔ (ایضاً۔ ص:271)

48۔ حضرت امام، نفس زکیہ، مہدی، محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علیؓ بن ابوطالب: آپؒ نے 28/ جمادی الآخر 145ھ (762ء) کو مدینہ منورہ میں عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے خلاف جدوجہد کا اعلان کیا اور مدینہ منورہ کے گورنر رباح کو گرفتار کر کے مسجد نبویؐ میں اپنی امامت کا اعلان کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور محمد بن حسن بن معاویہ کو مکہ کا گورنر مقرر کیا، قاسم بن اسحاق کو یمن اور موسیٰ بن عبداللہ کو شام میں گورنر مقرر کیا۔ خلیفہ منصور عباسی نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیا اور کئی دن کی جنگ کے بعد پیر کے دن 14/ رمضان 145ھ (762ء) میں انھیں شہید کر دیا۔ امام مالکؒ بن انسؓ نے نفس زکیہؒ کی حمایت میں لوگوں کو بیعت کرنے کی ترغیب دی تھی، اس لیے ابوجعفر منصور نے ان کو کوڑے لگوائے۔ (ایضاً۔ ص:529 و 554)

49۔ امام ابراہیم بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علیؓ بن ابوطالب: آپ نے یکم/ رمضان 145ھ (762ء) کو بصرہ میں ابوجعفر منصور کے خلاف جدوجہد کا اعلان کیا اور بصرہ پر قابض ہو کر لوگوں سے بیعتِ عام لی۔ اہواز اور اس کے تمام علاقوں پر منصور کے عمال کو شکست دے کر قبضہ کر لیا۔ چناں چہ بصرہ، فارس، واسط اور عراق کا بڑا حصہ ان کی حکومت کے قبضے میں آ چکا تھا۔ رمضان کا پورا مہینہ فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ رمضان کے آخر میں جب نفس زکیہ محمد مہدیؒ کی شہادت کی خبر ملی تو اس سے خلیفہ منصور کے عاملوں میں دوبارہ لڑنے کی ہمت پیدا ہوئی۔ چناں چہ امام ابراہیم ان کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر دارالخلافہ کوفہ پر چڑھائی کی۔ منصور کی فوجوں سے لڑائی میں سب سے پہلے تو کامیابی ہوئی اور پھر لوگوں کے ان سے علاحدہ ہو جانے کی وجہ سے شکست ہو گئی۔ آخر 25/ ذی قعدہ 145ھ (762ء) کو امام ابراہیمؒ کو شہید کر دیا گیا۔ (ایضاً۔ ص:560 تا 571)

50۔ امامِ ابوحنیفہؒ نے نفس زکیہ محمد مہدیؒ اور ابراہیم بن عبداللہؒ کی حمایت میں فتویٰ دیا تھا، اس لیے (خلیفہ ابوجعفر) منصور نے انھیں گرفتار کر کے بلایا اور بغداد میں لے جا کر قید کر دیا۔ شہر بغداد کی تعمیر کا سلسلہ جاری تھا، اس میں آپؒ سے اینٹیں گنوانے کی مشقت لی جانے لگی۔ (دیکھیے! تاریخ اسلام۔ تالیف: اکبر شاہ نجیب آبادی۔ ج:02۔ ص:322۔ طبع: نفیس اکیڈمی، کراچی)

51۔ احکام القرآن۔ از امام ابوبکر جصاص رازیؒ۔ تفسیر سورة براۃ. باب فرض النفیر و الجهاد۔ ج:03۔ ص:117۔ طبع: سہیل اکیڈمی، لاہور

52۔ ایضاً۔ ج:03۔ ص:118۔

53۔ ایضاً۔ تفسیر سورة براۃ. باب فرض النفیر و الجهاد. ج:03۔ ص:119۔

54۔ احکام القرآن۔ تفسیر سورة البقرہ. باب فرض الجهاد. ج:01۔ ص:63-262۔

55۔ ایضاً۔ ص:263۔

56۔ خرمیة: یہ مجوسیوں کا ایک گروہ ہے، جو تناسخ کا قائل ہے اور محرمات کو مباح سمجھتا ہے۔ ایران کی ایک بستی ''خرمه'' کی طرف منسوب ہے۔ ''مزدکیة'' بھی انھی کی طرح ہے، لیکن اس مذہب میں خرمیہ کے پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں۔

57۔ احکام القرآن۔ از امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازی۔ ج:02۔ ص:34۔ طبع: سہیل اکیڈمی، لاہور۔

58۔ (حاشیہ از حضرت سندھیؒ) امام ابوحفص: میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: امام ابوحفص کبیرؒ کا انتقال 217ھ (832ء) میں ہوا۔ اور ان کے بیٹے ابوحفص صغیرؒ کا انتقال 264ھ (878ء) میں ہوا۔ اور امام (عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثیؒ) بخاریؒ کا

انتقال 256ھ (870ء) میں ہوا۔ (عبیداللہ سندھی)

59۔ حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ: امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انس بن مالکؓ کی زیارت ایک سے زیادہ مرتبہ کی ہے۔ جب کہ وہ کوفہ تشریف لائے تھے۔ اسے ابن سعد نے سیف ابن جابر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے یہ بات سنی ہے۔ نیز انھوں نے لکھا ہے کہ: امام ابوحنیفہ بڑے امام، متقی، عالم اور عمل کرنے والے انتہائی عبادت گزار، بلند مرتبت شخصیت تھے۔ آپؒ بادشاہ کے ہدایا وغیرہ قطعاً قبول نہیں کرتے تھے، بلکہ تجارت کرتے تھے اور اس سے کمائی کرتے تھے۔
(دیکھئے! تذکرة الحفاظ۔ ج:01۔ ص:27-126۔ طبع: دار الکتب العلمیه، بیروت۔)

60۔ نیز امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ: ''امام مزنی نے فرمایا کہ: قوم حدیث کے لیے امام ابو یوسف کی اتباع کرتی ہے۔''
(دیکھئے! تذکرة الحفاظ۔ ج:01۔ ص:214۔ طبع: دار الکتب العلمیه، بیروت)

61۔ لسان المیزان. حافظ ابن حجر عسقلانی۔ بحوالہ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار۔ ص:90۔ طبع: کراچی۔

62۔ نیز حافظ عبدالقادر قرشیؒ نے لکھا ہے کہ: یحییٰ ابن معین امام زفر بن ہذیل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: وہ ثقہ اور ہر قسم کی غلطی سے محفوظ ہیں۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ: آپؒ بڑے فقیہ، حافظ الحدیث تھے۔ غلطی بہت کم کرتے تھے۔ آپ کے والد اہل اصفہان میں سے ہیں۔ ابونعیم (اصفہانی) فرماتے ہیں کہ: آپ ثقہ ہیں، غلطیوں سے محفوظ ہیں۔ اپنے بھائی کی میراث کے سلسلے میں بصرہ میں داخل ہوئے تو اہل بصرہ آپؒ کے دامن سے وابستہ ہوگئے اور آپ کو وہاں سے جانے سے روک دیا۔ آپ کی پیدائش 110ھ (728ء) میں ہوئی اور آپ کا انتقال 158ھ (775ء) میں ہوا۔ آپؒ کی کل عمر 48 سال ہے۔
(دیکھئے! الجواهر المضیه۔ ج:01۔ ص:243۔ طبع: میر محمد، کراچی)

63۔ حاشیہ الجواهر المضیه۔ ج:01۔ ص:244۔ طبع: میر محمد، کراچی۔ نیز الفوائد البهیه۔ ص:76۔ طبع: نور محمد کتب خانہ، کراچی

64۔ دیکھئے! الجواهر المضیه۔ از عبدالقادر قرشی۔ ج:01۔ ص:193۔ طبع: میر محمد، کراچی۔ ''الفوائد البهیه'' میں یہ اضافہ بھی ہے کہ امام حسن بڑے تیز فہم، ذہین اور فقیہ آدمی تھے۔ آپ کا انتقال 204ھ (819ء) میں ہوا اور اسی سال حسن بن مالک اور امام شافعی کا بھی مصر میں انتقال ہوا۔ (دیکھئے! الفوائد البهیه۔ ص:60۔ طبع: نور محمد، کراچی۔

65۔ امام عبدالقادر قرشیؒ نے مزید لکھا ہے کہ: امام حماد بن نعمان سے ان کے بیٹے اسماعیل بن حماد نے فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کا انتقال 170ھ میں ہوا۔ (دیکھئے! جواهر المضیه۔ ج:01۔ ص:226۔ طبع: میر محمد، کراچی)

69۔ دیکھئے! تذکرة الحُفّاظ، از امام ذہبیؒ۔ ج:01۔ ص:214۔ طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔)

66۔ امام ذہبیؒ نے بھی ''تذکرة الحُفّاظ'' میں لکھا ہے کہ امامِ شافعیؒ نے فقیہ محمد بن حسنؒ سے روایات لی ہیں۔ (دیکھئے! تذکرة الحُفّاظ. ج:01۔ ص:265۔ طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

67۔ (امام عبداللہ) ابن مبارک: آپؒ کی پیدائش 118ھ (736ء) یا اس کے بعد ہوئی۔ آپؒ سے روایت کرنے والوں میں بہت سی مخلوق ہے، جس کا شمار نہیں ہوسکتا۔ خاص طور پر ان میں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ، یحییٰ ابن معینؒ، حبان ابن موسیٰ، ابوبکر ابن شیبہؒ، ان کے بھائی عثمان ابن ابوشیبہؒ، احمد ابن منیعؒ وغیرہ ہیں۔ شعبہ فرماتے ہیں کہ: ابن مبارکؒ جیسا امام المسلمین کبھی ہمارے سامنے نہیں آیا۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے! تذکرة الحُفّاظ۔ ج:01۔ ص:03-202۔ طبع: دار الکتب العلمیه، بیروت۔

68۔ تهذیب التهذیب۔ از حافظ ابن حجر عسقلانی۔ ج:07۔ ص:334۔ طبع: دار الحدیث، قاہرہ، مصر۔

69۔ تذکرة الحُفّاظ۔ از امام ذہبی۔ ج:02۔ ص:17۔ طبع: دار الکتب العلمیه، بیروت۔

70۔ ایضاً۔ ج:02۔ ص:104۔

71۔ دیکھئے! تاریخ بغداد از حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی۔ ج:06۔ص:288۔تذکرہ اسماعیل بن فضلؒ بن موسیٰ بلخی۔ نمبر3319۔طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔2003ء)

72۔ امام وکیع ابن جراح کی پیدائش 129ھ (747ء) میں ہوئی۔آپؒ نے احادیث کی سماعت ہشام بن عروہ، اعمش، اسماعیل بن ابوخالد، ابن عون، ابن جریج، سفیان ثوری اور اوزاعی سے کی ہے۔اور آپ سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ ابن مبارک، احمد بن حنبل، علی بن مدینی، یحیٰ ابن معین، اسحاق، زہیر اور ابوشیبہ کے دونوں صاحبزادے وغیرہ ہیں۔امام احمد بن حنبل ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: میں نے وکیع جیسا انسان نہیں دیکھا۔
(دیکھئے! تذکرۃ الحُفّاظ۔ج:01۔ص:24-223۔طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

73۔ تذکرۃ الحُفّاظ. ج:02۔ص: 128۔طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

74۔ تذکرۃ الحُفّاظ. ج:01۔ص: 127۔طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

75۔ تذکرۃ الحُفّاظ میں لکھا ہے کہ: یحیٰ بن زکریا مدائن میں عہدۂ قضا پر فائز تھے اور وہیں 182ھ (798ء) میں آپ کا انتقال ہوا۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ 183ھ میں ہوا۔آپ کی عمر 63 سال ہوئی۔(دیکھئے! تذکرۃ الحُفّاظ۔ج:01۔ص:196)

76۔ (امام عبدالقادر) قرشیؒ نے لکھا ہے کہ: یحیٰ ابن زکریا امام احمد بن حنبل، یحیٰ ابن معین، قتیبہ، ابوبکر ابن ابوشیبہ اور حسن بن عرفہ سے روایت کرتے ہیں۔اور ابن معین فرماتے ہیں کہ: اپنے زمانے میں حضرت ابن عباسؓ پر علم کی انتہا تھی۔پھر اپنے زمانے میں عامر شعبی پر انتہا تھی، پھر اپنے زمانے میں امام (سفیان) ثوریؒ پر علم کی انتہا تھی، پھر اپنے زمانے میں یحیٰ ابن ابوزائدہ پر علم مکمل ہوا۔(دیکھئے! الجواهر المضیه۔ج:02۔ص:212)

77۔ امام عبدالقادر قرشیؒ نے لکھا ہے کہ: ابن ابوحاتم فرماتے ہیں کہ: قاسم بن معن ثقہ اور سچے آدمی ہیں۔لوگ آپ سے حدیث اور شعر روایت کرتے ہیں۔آپؒ کا انتقال 175ھ (791ء) میں ہوا۔احادیث کے اصحاب السنن نے بھی آپ سے روایت کی ہے۔(دیکھئے! الجواهر المضیه۔ج:01۔ص:412)

78۔ تذکرۃ الحُفّاظ۔تالیف: امام ذہبیؒ۔ج:01۔ص:175۔طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

79۔ امام عبدالقادر قرشیؒ نے لکھا ہے کہ: امام حفص کا انتقال 194ھ (810ء) میں ہوا اور آپ کی پیدائش 117ھ (735ء) کی ہے۔آپ قضا کے منصب پر 177ھ میں فائز ہوئے۔آپ کی عمر 60 سال ہوئی۔
(دیکھئے! الجواهر المضیه۔ج:01۔ص:222۔طبع: میر محمد، کراچی)

80۔ مقدمہ فتح الباری شرح بخاری۔از حافظ ابن حجر عسقلانیؒ۔ص:398۔طبع: دار الفکر، بیروت۔

81۔ ذیل الجواهر المضیه۔ج:02۔ص:555۔طبع: میر محمد، کراچی۔

82۔ تذکرۃ الحُفّاظ۔تذکرہ مکی بن ابراہیم بلخیؒ۔ج:01۔ص:268۔طبع: دارلکتب العلمیہ، بیروت۔

83۔ مقدمہ فتح الباری۔از حافظ ابن حجر عسقلانی۔ص:479۔طبع: دار الفکر، بیروت۔

84۔ الجواهر المضیه۔ج:02۔ص:256۔طبع: میر محمد، کراچی۔

85۔ تذکرۃ الحُفّاظ۔تذکرہ ابوعاصم ضحاکؒ۔ج:01۔ص:268۔طبع: دارلکتب العلمیہ، بیروت۔

86۔ الجواهر المضیه۔تالیف: امام عبدالقادر قرشی۔ج:02۔ص:212۔طبع: میر محمد، کراچی۔

87۔ تذکرۃ الحُفّاظ۔ ج:01۔ص:24-223۔طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

88۔ تذکرۃ الحُفّاظ۔ج:01۔ص:27-126۔طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

89۔ الجواهر المضيه۔ ج:02۔ص:78-177۔طبع: میر محمد، کراچی۔

90۔ حافظ ابو یعلیٰ معلّٰی بن منصور رازی ثم بغدادیؒ: حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ: انھوں نے امام مالک، سلیمان ابن ہلال، لیث ابن سعد اور شریک اور ان کے طبقے کے علما سے حدیث کی سماعت کی ہے۔ اور ان سے روایت کرنے والوں میں ابو ثور، ابو خیثمہ، امام رماوی، عباس دوریؒ وغیرہ ہیں۔ آپ علم کے محفوظ برتنوں میں سے ایک ہیں۔ یحیٰ ابن معین نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔
(دیکھئے! تذكرة الحُفّاظ۔ ج:01۔ص:276۔طبع: دار لكتب العلميه، بيروت)

91۔ سنن ابوداوٗد۔ از امام ابوداوٗد۔ باب المستحاضة يغشاها زوجها۔ حدیث نمبر309۔طبع: دار الكتب العلميه، بيروت۔

92۔ الجواهر المضيه. تالیف: امام عبدالقادر قرشی۔ ج:01۔ص:67-166۔طبع: میر محمد، کراچی۔

93۔ تاریخ بغداد۔ از امام خطیب بغدادیؒ۔ تذکرہ قاضی بشر بن ولید کندی۔ ج:07۔ص:84۔طبع: دار الكتب العلميه، بيروت۔

94۔ الجواهر المضيه. تالیف: امام عبدالقادر قرشیؒ۔ ج:02۔ص:71-70۔طبع: میر محمد، کراچی۔

95۔ تذكرة الحُفّاظ. تذکرہ محمد بن عبداللہؒ۔ ج:01۔ص:272۔طبع: دار لكتب العلميه، بيروت۔

96۔ مقدمه فتح البارى۔ از حافظ ابن حجر عسقلانی۔ص:440۔طبع: دار الفکر، بیروت۔

97۔ عن عبدالله (بن مسعود) عن النبىّ صلّى الله عليه و سلّم: خير النّاس قرنى، ثمّ الّذين يلونهم، ثمّ الّذين يلونهم، ثمّ يجىء من بعدهم قوم: سبق شهادتهم أيمانهم، و أيمانهم شهادتهم. رواه البخارى. كتاب الرقاق. حديث نمبر: 6429. و عن عمران بن حصين، حديث نمبر: 2651.

98۔ ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء. تالیف: امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ فصل ہشتم در فضیلتِ شیخین۔ ج:02۔ص:566۔طبع: قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی۔

99۔ تذكرة الحُفّاظ. تذکرہ عامر بن شراحیل شعبیؒ۔ ج:01۔ص:63۔طبع: دار الكتب العلميه، بيروت۔

101۔ ازالة الخفاء عن خلافة الخلفا (عربی اردو مترجم) ج:04۔ص:151 تا 155۔طبع: قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی۔

102۔ تذكرة الحُفّاظ. تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ۔ ج:01۔ص:16۔طبع: دار الكتب العلميه، کراچی۔

103۔ حجة الله البالغه، باب اسباب إختلافِ مذاهب الفقهاء. ج:01۔ص:08-307۔طبع: بیروت۔

104۔ حلية الأولياء. ج:01۔ص:134۔ نیز ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء. ج:02۔ص:21۔

105۔ دیکھئے! همعات، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ ھمعہ نمبر 02۔ص:16 تا 20۔طبع: شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد۔

116۔ میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: مسلمانوں میں فلسفہ اور حکمت کا ارتقا، یونان میں فلسفے کے ارتقا کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جس چوتھے دور کا تذکرہ کیا ہے، وہ افلاطون کے دور سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور پانچواں دور ارسطو کے دور سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا چھٹا دور مذہبِ افلاطونی کے بانی افلاطون سکندری کے دور سے مشابہت رکھتا ہے، جو کہ اس سے پہلے کے دونوں فلسفیوں کی رائے کا جامع ہے۔ عبیداللہ (سندھی)

☆☆☆☆☆

مطالعۂ فقہ

اسلام کا نظریۂ اجتہاد

(مولانا محمد تقی امینیؒ کے نقطۂ نظر کا خصوصی مطالعہ)

تحریر: مولانا محمد انس حسان
استاد: جامعہ قاسم العلوم، گلگشت کالونی، ملتان

حالاتِ زندگی

مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ ۲۲ رشوال ۱۳۲۴ء بمطابق ۵ رمئی ۱۹۲۶ء کو لکھنؤ سے متصل ضلع بارہ بنکی کے مشہور قصبہ ''سُبَیحــہ'' میں پیدا ہوئے۔ خاندان کے لوگ جس بزرگ کے معتقد (عقیدت مند) تھے، انھوں نے ''محی الدین'' نام تجویز کیا۔ گھر والے ''تقی الدین'' کے نام سے پکارتے اور شہرت ''محمد تقی'' سے ہوئی۔ ''امینی'' کی نسبت نظریۂ امانت کی طرف ہے۔ چناں چہ ''امینی'' بھی ساتھ لگ گیا اور یوں ''محمد تقی امینی'' کے نام سے ملقب ہوئے۔ اپنے والدین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''والدِ ماجد کا نام عبدالحلیم تھا، جو اپنے اَخلاق و کردار اور تہذیب و شائستگی میں ممتاز تھے۔ خدمتِ خلق اور قربانی کا جذبہ بے مثال تھا۔ والدۂ ماجدہ ایک نہایت مخیّر اور صاحبِ ثروت (مال و دولت والے) بزرگ کی صاحب زادی، نہایت دین دار اور خدا ترس تھیں۔'' (1)

ابتدائی تعلیم علاقہ کے قریبی مدرسے میں حاصل کی۔ قرآن مجید کے حفظ اور ابتدائی درجے کی عربی و فارسی کتب اسی مدرسے میں پڑھیں۔ اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''جب عمر پڑھنے کے قابل ہوئی تو خاندانی دستور کے مطابق والد صاحب نے قصبہ کے دینی مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بٹھایا، جس میں حفظ و قرأت کی تکمیل کی اور عربی علوم وفنون کی بیش تر کتابیں اس مدرسے میں پڑھیں۔ اس کے بعد ''جامع العلوم کانپور'' میں دینی علوم وفنون کی کتب پڑھیں اور آخر میں ''مدرسہ امینیہ دہلی'' سے فضیلت و تکمیل کی سند حاصل کی۔'' (2)

دیگر محبّ و شفیق اساتذہ کے علاوہ مفتیٔ اعظم ہند، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص طور پر

فیض حاصل کیا۔ مولاناؒ کو اپنے اساتذہ کی محنت اور شفقت کا پوری طرح احساس تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان تمام اساتذہ کی بالعموم اور مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ کی بالخصوص بہت زیادہ تعریف کرتے تھے۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

''اساتذہ نے نہایت محبت و شفقت اور دل سوزی سے تعلیم و تربیت میں حصہ لیا۔ اللہ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ ان میں قاری محمد یامین، صوفی افضل علی اور مفتی محمد کفایت اللہ (مفتیٔ اعظم ہند) خاص طور سے قابل ذکر ہیں، جن کی علمی و عملی تربیت اور حوصلہ افزائی نے زندگی کو وہ متاعِ گراں مایہ (قیمتی سرمایہ) دیا کہ جس کا بدل دنیا کی اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔'' (3)

تعلیم کی تکمیل کے بعد مختلف مدارسِ دینیہ میں دینی علوم و فنون کی تعلیم دی، لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب ہندو پاک کی تقسیم کا مسئلہ زوروں پر تھا۔ اس افراتفری میں کسی جگہ بھی جم کر پڑھانے کا موقع نہ ملا۔ ۱۹۶۴ء میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تشریف لے آئے اور ایک طویل عرصے تک تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ اپنی تدریسی زندگی کے حوالے سے مولانا خود رقم طراز ہیں:

''تعلیم کے بعد مدرسہ سبحانیہ دہلی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جامع العلوم کانپور میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی، لیکن چوں کہ وہ ہندوستان و پاکستان کی تقسیم ۱۹۴۷ء کا زمانہ تھا، افراتفری پھیلی ہوئی تھی، مسلمان انتشار کا شکار تھے، کسی ایک جگہ جم کر سال چھ مہینے سے زیادہ کام نہ کرسکا۔ ۱۹۵۰ء میں ناگپور (مہاراشٹر) چلا گیا۔ وہاں تقریباً چھ سال مدرسہ فرقانیہ اور ہائی اسکول میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ پھر ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم معینیہ (درگاہ خواجہ معین الدین چشتیؒ) اجمیر میں بحیثیت صدر مدرس اور شیخ الحدیث تقرر ہوا۔ وہاں تقریباً ۷ رسال مختلف علوم و فنون کی کتابیں، بالخصوص حدیث شریف پڑھاتا رہا۔ ۱۹۶۴ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ آیا۔ یہاں درس و تدریس اور نظامتِ دینیات کی خدمت سپرد ہے۔'' (4)

مولاناؒ کی طبیعت ۱۹۸۸ء سے خراب رہنے لگی تھی۔ ۱۹۹۰ء میں طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور علاج معالجے کے باوجود طبیعت نہ سنبھل سکی۔ اور بالآخر ۴ رجب ۱۴۱۱ھ بمطابق ۲۱ رجنوری ۱۹۹۱ء میں یہ عظیم المرتبت فقیہ، جس کی تمام زندگی جہدِ مسلسل کا عملی نمونہ تھی، علی گڑھ کے مقام پر اس ہستی عدم نما سے ہستی عدم کی طرف کوچ کرگیا۔ کل ۶۵ر برس کی عمر پائی اور علی گڑھ ہی میں مدفون ہیں۔

تصانیف / مقالات

مولانا امینیؒ نے بہت سی معرکۃ الآرا کتب اور مقالات یادگار چھوڑے ہیں۔ ان میں سے اکثر کتب کا عربی زبان میں بھی ترجمہ ہوا ہے اور وہ عرب دنیا میں بہت مقبول ہیں۔ (5) اس کے علاوہ بہت سے مقالات لکھے ہی

عربی میں گئے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر کتب کا تعلق فقہ اسلامی سے ہے۔ مولاناؒ نے اپنے مخصوص اسلوبِ تحریر میں فقہ اسلامی کے قدیم ذخیرے سے استخراج کر کے جدید فقہی مسائل کے حل کی شان دار روایت ڈالی ہے۔ اپنی تصنیفی زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا امینیؒ لکھتے ہیں:

''پہلے تصنیف و تالیف سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ قیامِ ناگپور کے زمانے میں قرآنِ حکیم میں غور و فکر کا موقع ملا۔ وہیں سب سے پہلے ایک کتابچہ ''اسلامی برادری'' کے نام سے ترتیب دیا۔ پھر ''اسلام کا زرعی نظام'' اور ''عروج و زوال کا الٰہی نظام'' لکھا۔ اجمیر منتقل ہونے کے بعد اس سلسلے کو مزید ترقی ہوئی۔ چناں چہ ''فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر''، ''مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر''، ''لا مذہبی دور کا تاریخی پس منظر'' جیسی ضخیم کتابیں اور بہت سے مقالات لکھے۔ جن میں بعض مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی دعوت پر پڑھے گئے۔ مثلاً ''فقہ کی تدوینِ جدید''، ''اجتہاد''، ''موجودہ دور کے اجتماعی مسائل''، ''کائنات میں انسان کا مقام''، ''موجودہ مسائل کس طرح حل کیے جائیں؟'' وغیرہ۔'' (6)

مولانا امینیؒ نے تصنیف و تالیف کا ایک ادارہ بھی قائم کیا تھا، جس کا نام ''علم و عرفان'' تھا۔ اور اس ادارے نے من جملہ کتب مذکورہ دیگر بہت سی کتب بھی شائع کیں۔ شروع میں اردو زبان میں لکھنے کا ذوق تھا، لیکن زندگی کے آخری ایام میں عربی زبان میں لکھنے لگے تھے اور اسی کو پسند بھی کرتے تھے۔ لکھتے ہیں:

''(بہت سے مقالات) عربی رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں اور بعض کتابی شکل میں طبع ہو رہے ہیں اور اب زیادہ تر عربی میں لکھنے کی کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ رہنمائی اور مدد فرمائے۔'' (7)

مولانا امینیؒ کی تصنیفات کی فہرست ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

(۱)	اسلام کا زرعی نظام	(۲)	عروج و زوال کا الٰہی نظام
(۳)	حدیث کا درایتی معیار	(۴)	اجتہاد کا تاریخی پس منظر
(۵)	مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر	(۶)	فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر
(۷)	لادینی دور کا تاریخی پس منظر	(۸)	احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت
(۹)	اسلام اور جدید دور کے مسائل	(۱۰)	اسلامی برادری
(۱۱)	ہدایت القرآن	(۱۲)	تہذیب کی جدید تشکیل (8)

اسی طرح آپ کے مقالات کی تعداد بھی کافی ہے۔ ان میں سے اکثر کتابی شکل میں چھپ چکے ہیں، جب کہ چند ایک ''اسلام اور جدید دور کے مسائل'' میں سما گئے ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں پاکستان سے مسائلِ حاضرہ پر چودہ سوالات ہندو پاک کے مختلف علما کے پاس بھیجے گئے، لیکن پاکستان سے صرف مودودی صاحب اور ہندوستان سے مولانا محمد تقی امینی صاحب کے جوابات ''اسلام بیسویں صدی میں'' نامی کتاب میں شائع ہوئے۔ دونوں حضرات کے یہ جوابات

تقریباً ۹۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔ (9) ذیل میں مولانا امینیؒ کے مقالات کی فہرست پیش کی جاتی ہے:

نمبر شمار	نام مقالہ	نمبر شمار	نام مقالہ
(۱)	فقہ کی تدوینِ جدید	(۲)	اجتہاد
(۳)	موجودہ دور کے اجتماعی مسائل	(۴)	کائنات میں انسان کا مقام
(۵)	موجودہ مسائل کس طرح حل کیے جائیں؟	(۶)	تہذیب کی تشکیلِ جدید
(۷)	بیمہ کی حقیقت و شرعی حیثیت	(۸)	سٹہ بازی اور اسٹاک ایکسچینج پر خرید و فروخت
(۹)	فقہ کی تدوینِ جدید میں موجودہ حالات کی رعایت	(۱۰)	خلافتِ فاروقیؓ میں اراضی کی تنظیم و تقسیم
(۱۱)	ریڈیو پر رویتِ ہلال کی خبر	(۱۲)	جدید دور میں جدید رہنمائی کی ضرورت
(۱۳)	شعورِ نبوت اور شعورِ اجتہاد کی ضرورت	(۱۴)	کیا سیکولر قانون زندگی کی رہنمائی کے لیے کافی ہے؟
(۱۵)	روحِ انسانی اور ذکر و عبادت	(۱۶)	مفاہمت بین المذاہب
(۱۷)	مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی	(۱۸)	قرآن کا دستور اساسی
(۱۹)	اجتہاد استنباط کے لیے حدیث کا تنقیدی مطالعہ	(۲۰)	ایک اور تہذیب جدید کی ضرورت

ان میں سے بعض مقالات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی دعوت پر پڑھے گئے اور بعض انٹرنیشنل سیمینارز میں بھی پڑھے گئے۔ جب کہ زیادہ تر مقالات ''اسلام اور جدید دور کے مسائل'' نامی کتاب میں چھپ چکے ہیں اور یہ کتاب عام دستیاب ہے۔

اردو کے علاوہ مولانا امینیؒ نے عربی میں بھی بعض پُرمغز علمی مقالات تحریر فرمائے ہیں۔ ان مقالات کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱)	ا لقطائع فی الإسلام	(۲)	السیاسة فی مصطلح الشریعة
(۳)	العقوبات الشریعة والمجتمع الجدید	(۴)	الفقیه فی مصطلح الشریعة
(۵)	النشأة الإنسانیة	(۶)	التحلیل النفسی للقوی الإنسانیة
(۷)	نشاط الدعوة توتی الحضارة	(۸)	بین الإنسان الصناعی والإنسان الحقیقی
(۹)	حول الدستور القرآنی		

اجتہاد کا معنی و مفہوم

اجتہاد کے لغوی معنی: کسی مقصد کو حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کرنا، زحمت برداشت کرنا، مشقت اٹھانا ہیں۔

اصطلاحاً اجتہاد عبارت ہے اس کوشش سے، جو کسی قضیے (مسئلے) یا حکم شرعی کے بارے میں بحدِ امکان ذاتی رائے (ظن غالب) قائم کرنے کے لیے کی جائے۔(10) اجتہاد کا مادہ ''جہد'' ہے، جس کے معنی کوشش و محنت اور سعی کرنے کے ہیں۔کسی قابلِ مشقت مکلّف (تکلیف دِہ) کام کے انجام دینے میں مقدور بھر کوشش کرنا۔اسی لیے اس مادے کا استعمال پتھر اٹھانے میں ہوتا ہے۔ رائی (سرسوں کا بیج) اٹھانے میں نہیں۔کسی مقصد کو پانے کے لیے استدلال کے پہلو سے اپنی تمام کوشش صرف کر دینا،ظن و گمان کے درجے میں کسی شے کے حکمِ شرعی کو تلاش کرنے کے لیے اپنی تمام کوشش صرف کر دینا۔اسی طرح اس بات پر گویا تمام فقہا متفق ہیں کہ ''اجتہاد'' تب بنتا ہے، جب مجتہدین خالی الذہن ہو کر کسی معاملے کے شرعی حکم کو دریافت کرنے کے لیے اپنی پوری کوشش اور ہمت صرف کریں اور تمام ممکنہ ذرائع معلومات سے استفادہ کر کے اس کے حکم پر پہنچنے کی کوشش کریں۔(11)

مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''اجتہاد کے لغوی معنی کسی بات کی تحقیق میں انتہائی جدوجہد کرنا، کلامِ عرب میں یہ لفظ ایسی جدوجہد میں استعمال ہوتا ہے، جس میں محنتِ شاقہ برداشت کرنی پڑے۔ چناں چہ **اجتهد فی حمل الرحاء** ''چکی کا پاٹ اٹھانے میں اس نے جدوجہد کی'' کہنا درست ہے اور **اجتهد فی حمل خردلة** ''رائی کا دانہ اٹھانے میں اس نے جدوجہد کی''، کہنا صحیح نہیں ہے''۔(12)

اہلِ اصول کے ہاں اجتہاد سے مراد ہے کسی شرعی حکم کے استنباط میں فقہ کا اس حد تک محنت سے کام لینا کہ اس سلسلے میں مزید محنت اس کے بس سے باہر ہو۔ یہاں پر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اجتہاد وہیں ہوتا ہے، جہاں پر کسی شرعی حکم میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو۔ مثلاً وجوبِ صلٰوۃ و زکٰوۃ کے بارے میں کوئی اجتہاد نہیں، کیوں کہ دونوں کا ثبوت، قطعی دلیل قرآنِ مجید سے ہو چکا ہے۔(13)

اس پر مزید روشنی مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں ڈالی ہے:

''حل طلب صورت کی دریافت میں بالکل خالی الذہن ہو کر انتہائی جدوجہد صرف کرنا، یہ صورت نئے قانون کی دریافت یا قوانین میں باہمی تطبیق کی ہو۔ قوانینِ شرعیہ کی دریافت میں پوری محنت اور جدوجہد صرف کرنا یہ دریافت تفصیل دلائل سے حاصل ہوتی ہے۔ان دلائل کا مرجع کتاب وسنت، اجماع اور قیاس ہیں۔'' (14)

اجتہاد کی ضرورت و اہمیت

مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ ان علما میں سے تھے، جنھوں نے موجودہ دور میں اجتہاد کی ضرورت کو نہ صرف شدت سے محسوس کیا، بلکہ اس باب میں اپنی خدماتِ جلیلہ سے ایک تاریخ رقم کی۔ مولاناؒ تمام زندگی برِصغیر کے

مسلمانوں کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص اس حوالے سے سوچنے اور کام کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ابتدا میں اردو میں لکھا، پھر اپنی آواز کو دور تک پہنچانے کے لیے اور اہلِ عرب کو بیدار کرنے کی غرض سے عربی میں بھی لکھا۔ اس حوالے سے مولاناؒ کی تمام زندگی ایک جہدِ مسلسل سے عبارت تھی اور تادمِ آخر وہ اپنی اس ذمہ داری کو فرض سمجھتے ہوئے نبھاتے رہے۔

ہر دور کا ایک ذہن اور ہر عہد کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ ذہن اور مزاج کی مناسبت سے ہر کام کے موقع و محل اور اس کی سمتوں کی تعیین ہوتی ہے۔ (15) اسی طرح اجتہاد کا تعلق بھی بڑی حد تک موقع و محل سے تعلق رکھتا ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ قومی و جماعتی زندگی کے ادوار بدلتے رہتے ہیں۔ اس بنا پر اجتہاد کے موقع و محل اور اس کی سمتوں میں بھی تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے۔ (16)

مولاناؒ کے نزدیک اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مجددین (تجدید کرنے والوں) نے اجتہاد کے کام کو جاری رکھا۔ البتہ موقع و محل کی مناسبت سے اس کی نوعیت اور کارکردگی کی کیفیت میں یقیناً فرق رہا۔ اس فرق میں قوم کی ضرورت اور تحمل و برداشت کی رعایت ملحوظ تھی کہ اس کے بغیر نہ اجتہاد کا اصل مقصد حاصل ہوسکتا ہے اور نہ ہی قوم و ملت کے لیے وہ مفید بنتا ہے۔ (17) حیاتِ انسانی میں بعض اوقات کچھ ضرورتیں ایک دور میں اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، لیکن بعد کے دور میں ان کی ویسی اہمیت نہیں رہتی۔ اسی طرح بعض ضرورتیں ایک دور میں اہمیت کی حامل نہیں ہوتیں، لیکن بعد کے دور میں اہمیت اختیار کر جاتی ہیں۔ اس حوالے سے مولاناؒ لکھتے ہیں:

> ''ایک مبصر کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر ضرورت کو اس کے درجے اور مقام میں رکھ کر اس کو عملی جامہ پہنائے۔ مجددین نے احیائے دین کی کوششوں میں اس فطری اصول کو کبھی نظر انداز نہ ہونے دیا۔ جس دور میں جس ''ضرورت'' کی جتنی اہمیت دیکھی، ''اجتہادات'' میں اس کو ویسا ہی مقام دیا''۔ (18)

مسلمانوں کا المیہ رہا ہے کہ وہ اپنے حقیقی محسنین کو پہچاننے میں ہمیشہ دیر کر دیتے ہیں۔ یہ معاملہ ہمارے فقہا مجددین کے ساتھ بھی پیش آیا، یعنی ان کے اجتہادات قوم کی بے بضاعتی اور عدمِ توجہی کی نظر ہوگئے۔ مولاناؒ کے نزدیک بعض مجددین نے فقہی مسائل کی طرف بھی توجہ کی اور بعض جزئیات میں حالات کی مناسبت سے تبدیلی کا مشورہ دیا، لیکن قوم اپنی بے بضاعتی اور بے بصری کی وجہ سے ان مشوروں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوئی اور وہ متفردات و مخصوصات بن کر رہ گئے۔ قوم کی اس عدم صلاحیت کی وجہ سے ان مجتہدین کی زندگی کا اجتہادی پہلو نظروں سے اوجھل ہوگیا اور یہ خیال عام ہوگیا کہ صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ (19) مولاناؒ لکھتے ہیں:

> ''موجودہ دور میں ایک طبقہ، جو اجتہاد کا پُر زور حامی ہے، وہ اس کے نشیب و فراز (اونچ نیچ) سے واقف نہیں ہے۔ اور جو طبقہ کچھ واقفیت رکھتا ہے، اس کی نظر میں عملاً اجتہاد کا دروازہ ایسا بند ہے کہ اس کی کنجی تک گم ہوچکی ہے۔'' (20)

مولاناؒ کے نزدیک فقہانے اجتہاد کے لیے کافی سامان فراہم کردیا ہے۔ اصول اور ضابطے مقرر کیے ہیں۔ کام کا انداز اور طریقہ بتایا ہے۔ کام کرکے دکھایا ہے۔ یہ سب کچھ ایک مرتب و مدوّن شکل میں موجود و محفوظ ہے۔ اس سے زیادہ ہماری محرومی اور بے بصری کیا ہوگی کہ اس ذخیرے سے فائدہ اٹھانے کو ہم جرم سمجھیں یا خودفریبی میں مبتلا ہوکر اس کی اہمیت نہ محسوس کریں۔ (21)

اجتہاد کی اقسام

مولانا امینیؒ نے اجتہاد کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مجتہد بھی اس حوالے سے تین اقسام پر ہوں گے:

(1) اجتهاد فی الشرع (شریعتِ اسلام میں اجتہاد)
(2) اجتهاد فی المذهب (فقہی مذاہب میں اجتہاد)
(3) اجتهاد فی المسائل (فقہی مسائل میں اجتہاد)

(1) اجتهاد فی الشرع (شریعتِ اسلام میں اجتہاد)

اجتہاد فی الشرع کے دو درجے ہیں:

(۱) مجتهد مستقل (مجتہدِ مطلق)
(۲) مجتهد منتسب (کسی مجتہدِ مطلق سے نسبت رکھنے والا مجتہد)

مولاناؒ کے نزدیک مجتہد مستقل وہ ہے، جس کو ان اصول وکلیات (اجتہادی مآخذ) میں ردّ و بدل اور تصرف کا اختیار ہو، جن پر احکام و مسائل کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ (22) اور مجتہد منتسب وہ ہے، جو بغیر کسی تصرف کے مقررہ اصول وکلیات کو تسلیم کرتا ہو اور مسائل کے استخراج میں انھی اصول سے کام لیتا ہو۔ (23)

(2) اجتهاد فی المذهب (فقہی مذاہب میں اجتہاد)

مولانا امینیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا درجہ پہلے کے مقابلے میں کم تر سمجھا جاتا ہے۔ چناں چہ مجتہد فی المذہب وہ ہے، جو مشہور ائمہ میں سے کسی ایک امام کا مقلد ہو، اصول و فروع میں اسی کی اتباع کرتا ہو۔ لیکن اندھی تقلید نہ ہو، بلکہ عقل و بصیرت کی روشنی میں مسائل کو قبول کرتا ہو اور ان بنیادوں سے واقف ہو، جن پر مسائل کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ (24) اس کا دائرۂ کار محدود ہوتا ہے اور ایسے مجتہد کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ جس امام کی وہ اقتدا کرتا ہے، اسی کے مقرر کردہ اصول وضوابط کے مطابق اجتہاد کرے اور اس سے تجاوز نہ کرے۔

(3) اجتہاد فی المسائل (فقہی مسائل میں اجتہاد)

مولانا امینیؒ کے نزدیک مجتہد فی المسائل وہ ہے جو اپنے امام کے مسلک کا متبحر عالم ہو اور مختلف اقوال و مختلف توجیہات میں دلائل و براہین کے ذریعے کسی ایک کو ترجیح دینے کی قدرت رکھتا ہو۔ (25) اس کا درجہ، اجتہاد فی المذہب سے بھی کم تر ہے۔ اجتہاد فی المسائل میں مختلف اقوال کی تطبیق کرنا ہوتی ہے اور کسی ایک کو ترجیح دینا ہوتی ہے۔ اسی ''وجہ ترجیح'' کا نام اجتہاد ہے۔ مولاناؒ لکھتے ہیں:

''اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ فقہ میں اجتہاد صرف نئے مسائل کے حل کرنے ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ مسائل کی باہمی تطبیق و ترجیح کا نام بھی اجتہاد ہے۔'' (26)

عصر حاضر میں اجتہاد کا دائرۂ کار

انسانی زندگی کے معاملات کی دو اقسام ہیں:

(1) وہ جس کا تعلق عقائد، عبادات، اخلاق وغیرہ انسان کی انفرادی زندگی سے ہے۔

(2) وہ جس کا تعلق معاشرت، معاشیات و سیاسیات وغیرہ ملکی قانون سے ہے۔

ان دونوں اقسام پر مولاناؒ کا تبصرہ یہ ہے کہ:

''عوام کا زیادہ تر تعلق پہلے حصہ سے ہے۔ اس میں نہ کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت ہے اور نہ موجودہ حالت میں قوم تبدیلی کی متحمل ہو سکتی ہے۔ صرف جدید ترتیب قائم کرنے اور بعض مباحث کو مقدم و مؤخر (آگے پیچھے) کرنے سے یہ کام ہو جائے گا۔ اور اگر اس میں بھی کانٹ چھانٹ کی گئی تو تبدیلی کی ذہنیت عوام میں سرایت کر جائے گی اور قانون کا وقار ان کے دل سے نکل کر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہو جائے گی ...... دوسرے حصے میں کافی غور و خوض کے بعد نقشہ مرتب ہو سکے گا، جس میں حالات و تقاضے کے مطابق نئی ترتیب قائم کرنا، نئے پیش آمدہ مسائل کا حل دریافت کرنا اور جن مباحث کو زمانے کے مفتی نے ختم کر دیا ہے، ان کو ترتیب سے نکال دینا وغیرہ امور شامل ہیں۔'' (27)

مولانا امینیؒ کے نزدیک پہلے حصے میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ صرف جدید ترتیب قائم کرنے سے کام چل جائے گا۔ البتہ دوسرے حصہ میں غور و خوض کے بعد حالات و تقاضوں کے مطابق تبدیلی ناگزیر ہوگی۔ چناں چہ انھی موضوعات پر اجتہاد کرنا فائدہ مند ہوگا اور انھی پر اجتہاد کرنے کی ضرورت بھی ہے۔

گزشتہ صدی میں یہ سوال اُبھر کر سامنے آیا کہ درپیش مسائل کے حوالے سے کل فقہی ذخیرے سے استفادہ کیا جائے اور جملہ مسالک کے اجتہادی مسائل، جو عصرِ حاضر سے مطابقت رکھتے ہوں، ان کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا جائے۔ چناں چہ ۱۸٦۷ء میں سلطنتِ عثمانیہ نے ''**مجلّة الأحكام العدلیه**'' کے نام سے کتاب مدون کی، جس میں

جملہ مسالک سے استفادہ کیا گیا تھا۔ (28) اسی طرح ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''موسوعة الفقه الإسلامی'' کے نام سے ۴۰ جلدات پر مشتمل کتاب مدون کی۔ اسی طرز پر مصر نے بھی ''موسوعة الفقه الإسلامی'' کی تدوین کی۔ اگر چہ ان کا اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ عالمِ اسلام میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی، لیکن عملی طور پر ان کے زیادہ دور رَس نتائج برآمد نہ ہوئے۔ جدید مسائل کے اجتہادی حل کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والی نئی فقہ کے حوالے سے مولاناؒ کا تجزیہ بڑا معتدلانہ اور سائنٹفک ہے۔ چناں چہ وہ مختلف مسالک کو ملا کر کسی نئی فقہ کی تشکیل کے حامی نہیں ہیں، اس لیے کہ امت ابھی اس کام کی متحمل نہیں ہے۔ اس حوالے سے مولانا امینؒ لکھتے ہیں:

''دراصل قومی و جماعتی زندگی کا وہ وقت (موڑ) نہایت نازک ہوتا ہے، جب اس کو ایک مقام سے ہٹا کر دوسرے مقام پر لایا جاتا ہے۔ اگر اس میں دوسرے مقام کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی ہے اور پہلے سے بھی وہ اُکھڑ چکی ہے تو نتیجہ لازمی طور سے ذہنی طوائف الملوکی (کھلبلی) کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔'' (29)

مزید لکھتے ہیں:

''مسلم قوم میں ابھی اس درجے کے ضبط کی صلاحیت نہیں پیدا ہوسکی کہ وہ قانونی جزئیات وفروع میں ''آفاقیت'' کے تصور کو جذب کرسکے۔ بدقسمتی سے مسلم ممالک کی ترقی میں اسلام سے کہیں زیادہ قومیت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اس لیے بین الاقوامی فقہ کو بروئے کار لانے کے لیے نہ ماحول سازگار ہے نہ مفید نتیجہ کی توقع ہے، بلکہ اُلٹے مضر اثرات کا قوی اندیشہ ہے۔'' (30)

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مولانا امینؒ جدید تدوین میں دیگر فقہا کی فقہ سے استفادے کے قائل نہیں۔ وہ نہ صرف اس کی اجازت دیتے ہیں، بلکہ اس کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''جن مسائل میں حالات و تقاضے کے مطابق تبدیلی کی ضرورت ہو یا نئے مسائل حل کرنے کی صورت ہو تو ان میں مختلف مسالک اور اختلافاتِ فقہا سے ضرور مدد لی جائے کہ اس کے بغیر موجودہ اور آئندہ حالات کے پیشِ نظر اس کام کی اور کوئی بہتر شکل نہیں ہے۔'' (31)

بالغ نظر فقہا کا ماننا ہے کہ فقہ اسلامی میں اجتہاد کے حوالے سے کلی طور پر جمود کبھی طاری نہیں رہا۔ بلکہ جزوی اور انفرادی طور پر ہی سہی، اجتہاد ہر دور میں جاری رہا۔ چناں چہ بعض حلقوں کا یہ کہنا کہ فقہ پر مکمل طور پر جمود چھا گیا ہے، محلِ نظر ہے۔ اس حوالے سے چراغِ راہ، اسلامی قانون نمبر ۱۹۵۸ء میں یہ سوال مختلف علما کی خدمت میں پیش کیا گیا تو ان کے جوابات درج ذیل تھے:

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقہ اسلامی میں حقیقتاً کوئی جمود نہیں۔ اصولی فقہ کے ماتحت ہر نئی سے نئی ضرورت کے لیے قرآن وسنت سے احکام کے استنباط (اخذ کرنے) کا سلسلہ عہدِ نبوی سے لے کر قرونِ متاخرہ (بعد

کے زمانے) تک ہمیشہ جاری رہا اور صحیح یہ ہے کہ آج بھی جاری ہے۔(32)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقہ اسلامی میں کوئی جمود نہیں۔ انفرادی فقہا میں جمود ہوسکتا ہے اور یہ فقہ کا قصور نہیں۔(33)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس دور میں جمودِ فقہ کی شکایت زیادہ تر اُن لوگوں کی زبان پر ہے، جو اغیار کے نظریاتِ حیات سے متأثر ہیں اور جن کے خیال میں اسلام کے قوانین فرسودہ اور بے کار ہو چکے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اس کا باعث یہ ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند کردیا گیا ہے، لہٰذا فقہ اسلامی جامد ہوگئی ہے۔(34)

مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ کا تجزیہ اس حوالے سے بڑا معتدل اور دور رَس ہے۔ مولاناؒ کے نزدیک اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ''مجددین'' نے اجتہاد کے کام کو جاری رکھا، البتہ موقع و محل کی مناسبت سے اس کی نوعیت اور کارکردگی کی کیفیت میں یقیناً فرق رہا۔ اس فرق میں قوم کی ضرورت اور تحمل و برداشت کی رعایت ملحوظ تھی کہ اس کے بغیر نہ اجتہاد کا اصل مقصد حاصل ہوسکتا ہے اور نہ ہی قوم و ملت کے لیے وہ مفید بنتا ہے۔(35) گویا یہ اجتہادی عمل کسی نہ کسی صورت اور رفتار کے ساتھ چلتا رہا۔ ایسا نہیں ہوا کہ یہ عمل بالکل رُک گیا ہو۔ چناں چہ یہ کہنا کہ فقہ اسلامی پر مکمل طور پر جمود طاری ہے اور اجتہادی عمل کلیتاً مفلوج ہو چکا ہے، یہ اسلام دشمنوں کو یہ کہنے کا جواز مہیا کر رہا ہے کہ اسلام ایک نظامِ حیات نہیں ہے اور معاشرتی و سماجی تبدیلیوں کے حوالے سے اس کے ہاتھ خالی ہیں۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ بدلتی ہوئی معاشرتی و سماجی حالت کے مطابق جس اجتہادی عمل کی تیزی کی ضرورت اور احتیاج تھی، اس میں ہمارے بعد کے فقہا اس سرعت (تیزی) اور دقیقہ نظری (گہری بصیرت) کا مظاہرہ نہیں کرسکے، جو ان کے پیش رو کر گئے تھے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہمارے بعد کے فقہا کو وہ ماحول اور حالات میسر نہیں آئے، جن حالات میں متقدمین نے فقہ کی تدوین کی۔ گویا ہمارے بعد کے فقہا معاشرے کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکے اور یہی ان کا قصور متصور کیا جاتا ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے بعد یہ سمجھا جانے لگا کہ فقہ کا کافی ذخیرہ اکٹھا ہوگیا اور جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے وہ اجتہادی صلاحیت اور فقہی بصیرت، جو متقدمین کے ساتھ خاص تھی، آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی ہے تو عافیت اسی میں سمجھی گئی کہ اجتہاد کا دروازہ بند کردیا جائے۔ اس کے دیگر عوامل یہ تھے:

(1) اجتہاد کے لیے بلند ہمتیں درکار تھیں، وہ نسلاً بعد نسلٍ کم ہوتی گئیں۔

(2) اپنے مسلک کے لیے تعصب پایا جانا۔

(3) سابقہ لوگوں کے اقوال کا ایسا احترام، جس سے کہ ان کی مخالفت جائز نہ رہے۔(36)

لیکن اُمت کا کثیر طبقہ یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوسکتا ہے۔ استاد زرقا رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کا دروازہ بند نہیں کرسکتی اور نہ اس پر پہرہ بٹھا سکتی ہے۔

(37) علامہ عزالدین بن عبدالسلام، جو ساتویں صدی ہجری کے شافعی فقہا میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، وہ اجتہاد کا دروازہ بند کرنے والے علما کے اقوال ذکر کرنے کے بعد ان پر ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ تمام اقوال بے بنیاد اور باطل ہیں۔ اگر آج بھی کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے، جس میں کوئی نص نہ ملے یا اس میں سلفِ صالحین (پُرانے بزرگوں) کے درمیان اختلاف ہو تو اِسے لازمی طور پر کتاب و سنت کی نصوص کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعے ہی حل کیا جائے گا۔ اس کی صحت سے صرف وہی شخص انکار کرے گا، جو ہذیان کے عارضے میں مبتلا ہے۔'' (38)

مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقہ میں اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا، بلکہ یہ بند ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ علما، جو اجتہاد کے دروازہ کے بند ہونے کا فتویٰ جاری کر چکے ہیں، ان میں اور اپنے قول میں مولاناؒ تطبیق یوں کرتے ہیں کہ شاید ان کے ماحول و حالات نے انھیں ایسا کرنے پر مجبور کیا ہو، لیکن اس سے یہ سمجھ لینا کہ انھوں نے ہمیشہ کے لیے یہ باب بند کر دیا تو اس کے نہ وہ مجاز تھے اور نہ ہم مکلّف ہیں۔ ہمیں تو ان جدید مسائل کے حوالے سے، جو آج عالم اسلام کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج ہے، اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ تاکہ ہم اپنی آئندہ نسلوں اور خدا کے سامنے سرخرو ہوسکیں۔ وہ لوگ، جو چند جزئیات میں مناسب تبدیلی نہ ہونے کی بنا پر یہ رائے رکھتے ہیں کہ صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے، ان کے حوالے سے مولانا رقم طراز ہیں کہ:

''چند فقہی جزئیات میں تبدیلی نہ ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صدیوں سے اجتہاد کا سلسلہ بند ہے، تاریخ دانی اور قوم کی مزاج شناسی کا کوئی اچھا ثبوت نہیں ہے۔'' (39)

جس طرح ایک طبیب کا کام مریض کی طبیعت میں اعتدال پیدا کر کے مرض کو ختم کرنا ہوتا ہے اور اس کی دوا اور غذا کے حوالے سے وہ موسم اور آب و ہوا کے مطابق تبدیلی کرتا ہے تو یہی معاملہ اس دور کے مجتہدین کا تھا اور اس طبیب کی طرح ان کی جملہ اجتہادی صلاحیتیں ایک ہی کام کے گرد چکر لگاتی رہتی تھیں۔

عصر حاضر میں اجتہاد کی صورتیں

مولانا امینیؒ کے نزدیک وہ صورتیں، جن میں اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے، ان کی تین اقسام ہیں:

(1) موقع و محل کے تعیین میں اجتہاد

(2) نئے مسائل کی تحقیق کے لیے اجتہاد

(3) دُشواری اور مشکلات پر قابو پانے کے لیے اجتہاد

(1) موقع و محل کے تعیین میں اجتہاد

حکم اصولی اور کلی شکل میں موجود ہے، لیکن موقع و محل کے تعیین کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ (40) مثال

کے طور پر شہادت کے بارے میں گواہوں کی عدالت کے حوالے سے ذکر ہے:

''وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ '' (41)

(اپنوں میں سے دو عادل گواہ بناؤ۔)

اور عدالت کی تعریف یہ ہے کہ ''عدالت'' ایک ملکہ (راسخ صلاحیت) ہے، جو تقویٰ اور مروّت اختیار کرنے سے عبارت ہے۔ نیز ''مروّت'' کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ معاشرتی حوالے سے گھٹیا باتوں اور وہ چیزیں جنھیں لوگ معیوب (بُرا) سمجھتے ہیں، ان سے بچنے کو ''مروّت'' کہتے ہیں۔ چناں چہ عادل میں یہ صفات ہونی چاہئیں۔ لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص ظاہراً وہ تمام خوبیاں رکھتا ہو، لیکن اس کا باطن اور اَخلاق و کردار انتہائی بدنما ہو، اس کے برعکس ایک شخص ظاہراً ان صفات پر پورا نہ اترتا ہو، لیکن اس کا باطن اور اَخلاق و کردار بہت بلند ہو تو اس صورت میں اس کی شہادت کا کیا حکم ہوگا؟ عموماً حکم ظاہر پر لگایا جاتا ہے، لیکن مولانا امینؒ کے نزدیک یہ معیار درست نہیں۔ کسی انسان کی محض ایک بات میں شریعت کی خلاف ورزی سے اس کی پوری زندگی داغ دار نہیں بنائی جاسکتی۔ اس حوالے سے وہ اپنا نقطہ نظر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''مقامی حالات اور معاشرتی ضروریات کی بنا پر ہر دور میں ''عدالت'' کا معیار بدلتا رہتا ہے۔ اس لیے ان حالات اور مقررہ اصول وضوابط کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعے ''عدالت'' کا نیا معیار مقرر کرنا اور اس پر ''شاہد'' کو جانچنا ہر دور کا اہم ترین کام ہے۔'' (42)

(2) نئے مسائل کی تحقیق کے لیے اجتہاد

نئے مسائل کی تحقیق کے لیے اجتہاد کی چار صورتیں ہیں:

(۱) قرآن، سنت اور اجماع سے جو صریح احکام ثابت ہیں، ان کے الفاظ و معانی میں غور کر کے فقہا کے اصولوں کے تحت حکم دریافت کیا جائے۔

(۲) وہ مسائل، جو حل شدہ ہیں، ان میں پائے جانے والی علت کا اطلاق نئے مسئلے پر کر کے حکم دریافت کیا جائے۔

(۳) نظائر (مثالیں) اور مشابہ احکام نہ ملنے پر معتبر مصالح کو معیار بنا کر نئے مسئلے کا حکم دریافت کیا جائے۔

(۴) اصول و کلیات یا استصلاح و استدلال وغیرہ سے مسئلے کا حکم دریافت کیا جائے۔

اس حوالے سے مولانا امینؒ لکھتے ہیں:

''......نئے مسائل کا حل ناممکن نہیں ہے۔ فقہائے کرام نے اتنا سرمایہ جمع کر دیا ہے کہ اس کے ذریعے فقہ ہمیشہ ضروریاتِ زندگی کا ساتھ دے سکتی ہے۔ البتہ اس کے لیے محنت، زرف نگاہی اور اجتہادی صلاحیت کی ضرورت ہے۔ اور وقت کے اہم مسائل نہ حل کیے گئے، بلکہ اجتہادی کام کا سلسلہ ہی

بند ہو گیا تو پھر ہوا و ہوس کا غلبہ ہو کر دین و شریعت کا صرف نام باقی رہے گا۔'' (43)

(3) دشواری اور مشکلات پر قابو پانے کے لیے اجتہاد

بعض اوقات حالات و معاشرتی خرابی یا بیماری و معذوری وغیرہ کی بنا پر کسی منصوص حکم کا غیر منصوص شکل پر عمل دشوار ہوتا ہے۔ ان حالات میں کوئی ایسی صورت تلاش کی جاتی ہے، جس میں حکم کا احترام اور اس کی روح بھی برقرار رہے اور سہولت کی راہ بھی نکل آئے۔ یعنی لوگوں کے لیے آسانی کی ایسی راہ نکالی جائے کہ نص کی مخالفت بھی نہ ہو اور نص کی اطاعت کی صورت بھی نکل آئے۔ تا کہ حالات یا زمانے کے بدلنے سے لوگوں نے محض غیر معمولی دشواری اور مشکل کی وجہ سے جس منصوص حکم پر عمل چھوڑ دیا ہے تو اجتہاد کے ذریعے سے لوگوں کو واپس اس منصوص حکم کی اطاعت کی طرف واپس لایا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے دین کو آسان بنایا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال قرآن کا تدریجاً نزول ہے۔ اللہ نے تمام احکامات اکٹھے نازل نہیں فرمائے، بلکہ اس میں لوگوں کی مجبوریوں اور بیماریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے تدریج کے ساتھ قرآن نازل فرمایا۔ شراب کی حرمت اور زکوٰۃ کی فرضیت اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔ چناں چہ فقہا نے اس سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ جب کسی حکم پر عمل دشوار ہو تو حکم کی روح اور اس کا احترام برقرار رکھتے ہوئے سہولت تلاش کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اس حوالے سے مولانا امینؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا وہ قول بھی نقل کیا ہے، جو انھوں نے اپنے بیٹے کے احکام کے نفاذ کے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔ حضرت عمرؒ نے فرمایا:

''لاتعجل یا بنیّ فانّ اللّٰہ ذمّ الخمر فی القرآن مرّتین وحرمتھا فی الثالثۃ وانّی احمل الحقّ علی النّاس جملۃ فیدفعوہ جملۃ و یکون من ذا فتنۃ. (44)

''بیٹے! اس معاملے میں جلدی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دو مرتبہ شراب کی برائی بیان فرمائی اور تیسری مرتبہ اس کو حرام کیا ہے۔ اگر میں لوگوں کو یکبارگی آمادہ کروں گا تو وہ اپنے کندھے سے جوا اُتار پھینکیں گے اور یہ فتنہ کا باعث ہو گا۔''

مولانا امینؒ کے نزدیک اجتہاد کا طریقۂ کار

مولانا امینؒ نے اجتہاد کی اہمیت اور ضرورت ہی پر زور نہیں دیا، بلکہ اجتہاد کے طریقۂ کار اور اس کے خدوخال کے حوالے سے بھی ان کے پاس ایک مکمل سسٹم اور میکنزم موجود ہے۔ چناں چہ مولانا امینؒ کا طریقۂ کار اور لائحۂ عمل محض رومانوی و افسانوی نہیں، بلکہ قابلِ فہم ہونے کے ساتھ ساتھ قابلِ عمل بھی ہے۔ مولاناؒ کے نزدیک دلائل سے مسائل کا تعلق قائم کرنے میں یہ ترتیب ملحوظ رہنی ضروری ہے کہ اصل قرآنِ حکیم ہے، سنت اس کی تشریح ہے۔ اجماع اور قیاس وغیرہ کا درجہ اس کے بعد ہے۔ نیز اجتہاد میں نااہلوں کی رائے اور بلا کسی شرط و قید کے آزادانہ رائے کا کوئی

اعتبار نہیں ہے۔ ورنہ جو صورت یہودیوں کے اجتہاد میں پیش آئی تھی، وہی پیش آئے گی۔(45)

(1) اجتہاد میں معاشرتی مصالح کی رعایت

ہم سب جانتے ہیں کہ احکاماتِ الٰہیہ دفعتاً نازل نہیں ہوئے، بلکہ اس میں انسانی طبائع و مزاج اور معاشرتی وسماجی مصالح کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ وہ چیزیں، جو نبوت کے ابتدائی سالوں میں حرام نہ تھیں، انھیں تدریجاً حرام قرار دیا گیا۔ چناں چہ اسلام نے اس باب میں ترتیب اور معاشرتی مصالح کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ آج بھی انھیں بنیادوں پر قائم ہے، جن پر چودہ صدیاں قبل قائم تھی۔ مولانا امینیؒ کے نزدیک اجتہاد کے طریقۂ کار میں معاشرتی مصالح کا بھرپور التزام کیا جانا چاہیے۔ چناں چہ وہ معاشرے کو قانون سازی کی بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''معاشرہ شریعت سازی کی بنیاد ہے اور احوال و مصالح عمارت تعمیر کرنے کے سامان ہیں۔ جب معاشرے میں تبدیلی ہوگی تو لازمی طور سے احکامِ شرعیہ کی شکل و صورت بدلے گی اور جب احوال و مصالح (حالات و واقعات اور مصلحتیں) باقی نہ رہیں گے تو ان سے بنی ہوئی عمارت بھی ختم ہوجائے گی۔''(46)

چوں کہ معاشرے کی حالت یکساں نہیں رہتی، اس لیے اجتہاد میں بھی اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ وہ معاشرتی تبدیلیوں کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی جاذبیت (کشش) قائم رکھے۔

(2) اجتہاد کی شورائی حیثیت

دورِ حاضر میں شورائیت کی افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلام جس شورائیت اور اجتماعیت کی بات کرتا ہے، وہ مغربی جمہوریت سے بہت ارفع اور بلند ہے۔ چناں چہ مولانا امینیؒ کا تجزیہ یہ ہے کہ دورِ حاضر میں اجتہاد شورائی بنیادوں پر ہوگا۔ اگرچہ انفرادی اجتہاد بھی جاری رہے گا، لیکن دیرپا وہی اجتہاد رہے گا، جو شورائی بنیادوں پر کیا جائے گا۔

اس نقطۂ نظر سے فقہ حنفی ہی وہ فقہ ہے، جو ہماری مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ کیوں کہ اس کی بنیاد بھی شورائیت پر قائم ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فقہ چالیس کے قریب جید علما وفقہا کی مجلسِ مشاورت میں مرتب کی۔ صورت یہ ہوتی تھی کہ کسی ایک مسئلے کو پیش کیا جاتا، جس پر تمام فقہا قرآن وسنت کی روشنی میں اپنی رائے پیش کرتے اور پھر جس کی بات وزنی ہوتی، وہ قبول کرلی جاتی۔ اس کی سب سے بڑی مثال امام ابوحنیفہؒ کی موجودگی میں امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ (جوکہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں) کے اختلاف ہیں۔ یعنی اس شوریٰ میں ہر ایک کو کھل کر اپنی بات بیان کرنے کا حق حاصل تھا۔ چناں چہ آج فقہ حنفی کے تقریباً ساٹھ فیصد فتاویٰ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے

اجتہادات پر مبنی ہیں۔

مولانا امینیؒ کے ذہن میں بھی شورائیت کا یہی تصور قائم تھا، لیکن اس میں وہ اتنا اضافہ ضرور کرتے ہیں کہ وہ اس شوریٰ کو صرف علما و فقہا کی شوریٰ نہیں دیکھتے، بلکہ ان کے نزدیک اس میں ڈاکٹرز، انجینئرز، ملکی قانون کے ماہرین اور اسی طرز پر دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی بطور مددگار کے شامل ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غور و فکر کے نتیجے میں کیا جانے والا اجتہاد اگر ان شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین کے ہاں قابل قبول نہ ہوا یا ان کے علم سے متصادم ہوا تو اس کی افادیت ختم ہو کر رہ جائے گی اور اس کے اُلٹے نقصانات بھگتنا پڑیں گے۔ چناں چہ ان وجوہات کی بنا پر مولاناؒ تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اس شورائیت کا حصہ مانتے ہیں۔ مولانا امینیؒ رقم طراز ہیں:

''موجودہ حالات و ضروریات کے پیش نظر اجتہاد کے لیے اصرار کے باوجود ہماری رائے انفرادی اجتہاد کی نہیں، بلکہ شورائی طرز کے اجتہاد کی ہے۔ کہ علما کی ایک صاحبِ صلاحیت مجلس زیر بحث مسائل میں ضابطہ کے مطابق غور کر کے باہمی تعاون کے ذریعے ان کا حل تلاش کرے۔'' (47)

علما کی یہ مجلس، جو اجتہادی مسائل حل کرے گی، یہ پرائیویٹ سطح پر ہو تو بہتر ہے۔ چوں کہ مولانا کے نزدیک جدید تدوین امام ابوحنیفہؒ کی طرز پر ہی ممکن ہے اور ان کی فقہ کا امتیاز یہ ہے کہ وہ حکومتی سرپرستی میں مرتب نہیں ہوئی تو شاید اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس اجتہادی جماعت کا پرائیویٹ ہونا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ چناں چہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ مجلس مشاورت ''پرائیویٹ'' اور نجی ہو تو زیادہ اچھا ہے۔ کیوں کہ حکومت کی نگرانی میں زیادہ توقع نہیں ہے کہ آزادانہ غور و فکر کا پورا موقع مل سکے گا۔ پھر قدیم تدوین کے وقت بھی یہ کام نجی طور پر ہی کیا گیا تھا۔ اگر ''پرائیویٹ'' کی صورت نہ بن سکے تو اہل حل وعقد (اہل اقتدار و اختیار) کے انتخاب میں کم از کم اس امر کا ضرور لحاظ رکھا جائے کہ حکومت زدہ افراد اس سے علاحدہ رکھے جائیں۔ ایسے افراد کی شناخت ان کے گزشتہ علمی اور عملی کاموں سے کی جا سکتی ہے۔'' (48)

اُمتِ مسلمہ کے موجودہ حالات و اَدبار کو سامنے رکھا جائے تو اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حالات کے تناظر میں مولانا امینیؒ نے ایک بہترین منہج تجویز کیا ہے، جس پر چل کر جدید مسائل کا حل نکالا جا سکتا ہے۔

(3) اجتہادی مسائل کے حل کے لیے مجلس کی ضرورت

اجتہاد کے طریقۂ کار کے حوالے سے مولاناؒ اپنا نقطۂ نظر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''اجتہاد کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کی صلاحیت رکھنے والوں کی ایک مجلس قائم کی جائے، جس میں مختلف ضروریات کے لحاظ سے ہر ضرورت کے ماہرین ہوں۔ ایسی مجلس (امام ابوحنیفہؒ کی سربراہی میں)

فقہ حنفی کی تدوین کے وقت بھی قائم تھی، جس میں تقریباً چالیس افراد تھے۔'' (49)

ایک اور جگہ مولاناؒ اجتہاد کے طریقۂ کار کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''طریقِ اجتہاد کے بارے میں صحابہ کرامؓ اور ائمہ مجتہدین کا طرزِ عمل ہمارے سامنے ہے کہ اجتہادی امور میں غور و خوض اور ان کے حل کے لیے صاحبِ صلاحیت افراد کی ایک مجلس قائم تھی۔ موجودہ حالات کا بھی تقاضا یہی ہے کہ صلاحیت رکھنے والے افراد کی ایک مجلس قائم کی جائے، جس میں مختلف ضروریات کے لحاظ سے ہر ضرورت کے ماہرین موجود ہوں۔ کچھ افراد نمایاں حیثیت رکھنے والے ہوں اور باقی کی حیثیت مشیر و مددگار کی ہے۔'' (50)

مولاناؒ کے نزدیک قانون کی ترتیب و تنظیم کا یہ کام اگر معاشرتی تبدیلی کے اُتار چڑھاؤ سے متعلق ہوتا تو زیادہ کد و کاوش کی ضرورت نہ تھی۔ چند احکام و مسائل کے موقع و محل میں تبدیلی سے کام چل جاتا اور اس کے ذریعے وقت کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتیں۔ جیسا کہ تاریخ میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ لیکن اس وقت کام مستقل دور کی تبدیلی سے متعلق ہے۔ اس بنا پر چند مسائل کے اُلٹ پھیر سے بات نہ بنے گی، بلکہ فروعی نظام میں ترمیم و تنسیخ (کمی بیشی) اور اضافے کے ساتھ اس کو جدید انداز میں ڈھالنا ہے۔ اور اصولی نظام کی حفاظت کے ساتھ اس کو نئی ترتیب و تنظیم کا جامہ پہنانا ہے۔ ظاہر ہے یہ کام مستقل اور مسلسل جدوجہد کے بغیر نہیں انجام پا سکتا ہے۔ (51) اس لیے یہ سمجھ لینا کہ محض چند جزئیات کی تبدیلی سے کام چل جائے گا، درست نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اس باب میں بڑی محنت ہونے والی ہے۔

جیسا کہ سابقہ سطور سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ مولانا امینیؒ کے نزدیک موجودہ دور میں اجتہادی مسائل کے حل کے لیے ایک علمی مجلس کا ہونا ضروری ہے، کیوں کہ یہ اہم کام انفرادی سطح پر سرانجام نہیں دیا جا سکتا، اس علمی مجلس کی حدود و قیود سے متعلق وہ لکھتے ہیں:

''اس مجلس کو اونچے پیمانے پر نہ اجتہاد کی ضرورت ہے اور نہ کوئی نئی راہ نکالنے کی اجازت ہوگی۔ البتہ اخذ و استفادہ کے باب میں یہ مجلس وسعت سے کام لے گی۔ نہ تو بالکلیہ آزاد و خود رائے ہوگی اور نہ وقتِ ضرورت دوسرے امام سے استفادے کو حرام جانے گی۔ بلکہ ہر مسئلے کو دلیل و بصیرت کی روشنی میں سمجھ کر قبول کرے گی اور اطمینان حاصل کرنے کے بعد فیصلہ کرے گی۔ اسی طرح مختلف اقوال میں جب ترجیحی صورت نکالنے کی ضرورت ہوگی تو حالات و مقامات کی مناسبت سے مقررہ قاعدے اور ضابطے کے مطابق بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دے گی۔ اگر کسی مسئلے میں نصِ صریح (واضح قرآنی آیت اور مستند حدیث) یا تعلیلِ صحیح (مستند نص سے اخذ کردہ) متقدمین سے نہ ملے گی تو تحقیق و تلاش کر کے مسئلے کو دلیل سے آراستہ کرے گی۔ اور اس بات کا مکلّف اپنے آپ کو نہ جانے گی کہ مسئلے میں پہلے کی کہی ہوئی ہر

بات کی تقلید کی جائے۔ خواہ اطمینانِ قلبی حاصل ہو یا نہ ہو۔ نیز موجودہ حالت کے وہ مطابق ہو یا نہ ہو۔''(52)

(4) مجلس کے استفادے کے چند اصول

مجلس کو اس کام کی انجام دہی کے لیے فقہی مواد سے جس قسم کے استفادے کی ضرورت ہوگی، مولانا امینیؒ اس کے لیے درج ذیل اُمور کی نشان دہی کرتے ہیں:

(۱) قرآنی احکام کے موقع و محل کی تعیین میں سیرت نبویؐ اور عہد صحابہؓ سے استفادہ۔

(۲) حدیث کے سلسلے میں روایت و درایت (53) دونوں سے کام لینا۔

(۳) اجماعی مسائل (54) کے انداز اور ان کے نوک پلک کو سمجھنا۔

(۴) قیاس میں حکمت و علت (55) کے امتیاز کو برقرار رکھنا اور استنباطِ مسائل (مسائل کو اَخذ کرنے) میں ہر ایک کے کردار سے واقف ہونا۔

(۵) قانونی ماخذ، استحسان (56)، استصلاح (57) اور استدلال (58) سے مسائل کے استنباط میں اس امر کو ملحوظ رکھنا کہ متقدمین نے ان سے کس وقت کام لیا اور کن اسباب کی بنا پر یہ ماخذ قرار پائے؟

(۶) تعامل (59) اور عرف و رواج (60) کو استعمال کرنے کے لیے فقہا کے طریقے اور ضابطے کو ملحوظ رکھنا۔

(۷) ملکی قانون (جن سے کسی کلی اصول پر زد نہ پڑتی ہو) سے استفادے میں اس وسعت و فراخی اور طریقِ کار کو ملحوظ رکھنا، جو صحابہ کرامؓ نے مختلف ممالک کے قوانین کے باب میں اختیار کیا۔

(۸) فقہی اصول و کلیات (61) سے استدلال میں فقہا کے طرزِ عمل کو رہبر بنانا۔

(۹) فقہی احکام میں تخفیف و سہولت (62) کے اسباب کو برمحل منطبق کرنا۔

(۱۰) اختلافِ فقہا کے اسباب پر گہری نظر رکھنا اور حالات کا صحیح تجزیہ کر کے ان سے فائدہ اٹھانا۔(63)

مولاناؒ کے نزدیک مجموعی حیثیت سے یہ سب امور اس قدر وسیع اور جامع ہیں کہ ان کی مدد سے موجودہ حالات و تقاضوں کے مطابق بہترین کام انجام پا سکتے ہیں۔(64)

(5) مجلس کی ذمہ داریاں

مولانا امینیؒ کی نظر میں مجلس کو مندرجہ ذیل کام کرنا ہوں گے:

(۱) مسلم پرسنل لا (عائلی قوانین) (65) کے ان مسائل کی فہرست تیار کرنا، جن میں حالات کی تبدیلی اور سماجی خرابیوں کی بنا پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

(۲) پرسنل لا پر عمل درآمد کے لیے سماجی خرابیوں اور ان کے ازالے کی تدبیروں پر غور و فکر کر کے عملی قدم اٹھانا۔

(۳) ان رسوم کے متعلق حکم شرعی کا اظہار، جنھوں نے مسلمانوں کی خانگی زندگی کو نہایت دشوار و عذابِ جان بنادیا ہے۔ اور ان کے ازالے کے لیے شرعی، اَخلاقی اور قانونی کوشش کرنا۔

(۴) نئے پرسنل لا کی تدوین اور اس کو منظور کرنے کی کوشش کرنا۔

(۵) پرسنل لا کو نافذ کرنے کے لیے شرعی حاکم کے لیے جدوجہد۔

(۶) جدید مسائل کی فہرست مرتب کر کے ترتیب وار ان کو حل کرنا۔(66)

مولاناؒ کے نزدیک اگر جدید مسائل کو حل کرنے کی طرف توجہ نہ دی گئی اور اس حوالے سے اجتماعی اقدامات نہ کیے گئے تو مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ مذہب سے بالکل مایوس ہوجائیں گے۔ مولاناؒ کے نزدیک یہ کام بہت پہلے ہوجانا چاہیے تھا۔ یہ غالباً آخری وقت ہے، اگر اب بھی یہ کام نہ ہوسکا تو قوم وملت کا ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا۔

(6) مسائل کے حل کا طریق کار

مولانا امینیؒ کی تجویز کردہ اس مجلس میں مسائل کس طرح حل کیے جائیں گے؟ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''صورت یہ ہو کہ پہلے حل طلب مسائل کی روح اور مقصد میں غور کیا جائے کہ شارع کے پیشِ نظر ان کے ذریعے کس قسم کی مصلحت کا حصول اور کس قسم کی مضرت کا دفعیہ (انسداد) ہوسکتا ہے۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ ان احکام کو مزاج اور ذہنیت کی تبدیلی سے کتنا تعلق ہے؟ نیز موجودہ معاشرتی حالت اور سماجی زندگی کس حد تک ان کی روح اور اصلی کردار کو جذب و انگیز کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟ اس بات کی تحقیق بھی ضروری ہے کہ شارع کے پیشِ نظر ان مسائل کی صرف روح اور معنی مقصود ہیں یا قالب اور صورت بھی مقصود و متعین ہیں۔ اگر دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں تو کسی قسم کی تبدیلی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ معاشرتی حالت کو بتدریج ان کے قابل بنانے کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر یہ مسائل پہلی قسم سے تعلق رکھتے ہیں تو معاشرہ اور تمدنی تبدیلی کے ساتھ ان کی صورت میں تبدیلی ناگزیر ہوگی، لیکن ہر حال میں روح اور مقصد نظر انداز نہ ہونا چاہیے۔ ورنہ مفید نتیجے کی کوئی ضمانت نہ ہوگی۔'' (67)

چناں چہ اگر اس طریقے سے جدید اجتہادی مسائل کو حل کیا گیا تو اس کے حوصلہ افزا اور مفید نتائج برآمد ہوں گے، جو امت کی رہنمائی میں معاون ثابت ہوں گے۔ مولانا امینیؒ کے نزدیک بعض صورتیں ایسی ہوں گی، جن کا حل آسان ہوگا۔ صرف اصول و کلیات اور ضرورت و مصلحت میں صحیح تطبیق سے ان کا حل نکل آئے گا اور بعض میں دشواری پیش آئے گی۔ اس صورت میں اختلافِ ائمہ سے فائدہ اٹھانے کی بھی ضرورت پڑے گی، لیکن ہر حال میں روح اور مقصد کو سامنے رکھنا ضروری ہوگا اور فقہی ضابطے سے انحراف جائز نہ ہوگا۔ ورنہ شریعت ہوا و ہوس، ذاتی خواہشات اور سہل پسندی کا ''بازیچہ'' بن جائے گی۔ (68) اور اس طرح اس پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

(7) عصر حاضر میں فقہی اجتہاد کے درجات

مولانا امینیؒ کے نزدیک فقہی اجتہاد کے دو درجے ہیں:

(۱) اصول وکلیات (اجتہادی مآخذ وقواعد) میں اجتہاد، جن پر احکام و مسائل کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور جن سے مسائل کا تعلق جوڑا جاتا ہے۔

(۲) احکام و مسائل میں اجتہاد، جو اصول وکلیات سے مستنبط (اخذ) ہوتے ہیں۔ خواہ یہ مسائل اصول کی ترتیب و تدوین کے وقت موجود رہے ہوں یا بعد میں پیش آئے ہوں۔(69)

ان دونوں درجات کے حوالے سے مولانا امینیؒ کی رائے میں پہلے درجے پر اتنی زیادہ محنت کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ فقہا نے اس قدر ذخیرہ فراہم کر دیا ہے کہ اس پر کام کرنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئے گی۔ البتہ ان کے نزدیک اس میں مندرجہ ذیل کام ہو سکتے ہیں:

☆ اصولِ قانون کو نئے انداز میں مرتب کرنا تا کہ افادہ اور استفادہ کی صورت عام ہو سکے۔

☆ جن تشریحات و توضیحات کو زمانے کے مقتضا (تقاضوں) نے ختم کر دیا ہے، ان کی جگہ انھیں کی روشنی میں نئی تشریحات و توضیحات قائم کرنا۔

☆ اصول کی اس انداز میں تنقیح (تجزیہ وتحلیل) کرنا کہ باہمی اختلاف کا سلسلہ کم ہو اور بتدریج فقہ کو قومی و ملکی سطح سے بین الاقوامی سطح پر لانے میں سہولت ہو۔(70)

دوسرے درجے کا اجتہاد ہی دراصل اہم کام ہے اور اس کی اہمیت سے کسی طور انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے آپ تحریر فرماتے ہیں:

''رہ گیا دوسرے درجے کا اجتہاد، تو وہ ایسی ناگزیر حقیقت ہے کہ ہر دور میں اس کے بغیر چارۂ کار ہی نہیں ہے۔ اگر یہ سلسلہ نہ جاری رکھا گیا تو فقہ کے ایک حصے کو عملی ضروریات سے کوئی تعلق نہ باقی رہے گا۔'' (71)

چناں چہ اجتہاد کا مذکورہ طریقۂ کار اجتہاد کے اسی درجے میں ہوگا، کیوں کہ اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

(8) دورِ حاضر میں اجتہاد اور دُشواریاں

دورِ حاضر میں اجتہاد کے نتیجے میں پیش آنے والی معاشرتی وسماجی تبدیلیوں کو سمیٹنے میں کئی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اگرچہ قرآن وسنت، صحابہ کرامؓ کا عمل اور فقہا کا علمی سرمایہ سب محفوظ ہیں، لیکن پھر بھی ان سے استفادے میں درجِ ذیل دشواریوں کی نشان دہی مولانا امینیؒ کرتے ہیں:

(۱) مذہب کی نمائندگی جس انداز سے ہو رہی ہے، اس میں بڑی حد تک فکر و عمل کی وہی خصوصیتیں موجود ہیں، جو دورِ زوال کی یادگار ہیں اور جن کو زمانی تبدیلیوں نے پامال بنا دیا ہے۔ چناں چہ اس امر پر سب کو اتفاق ہے کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے، لیکن ان شعبوں کی تعبیر وتفسیر میں اب تک سرمایہ دارانہ و جاگیردارانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔

(۲) ہر سمجھ دار آدمی اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ بہت سے ملکی، تنظیمی اور معاشرتی قوانین حالات و زمانہ کی رعایت کیے بغیر اپنی افادیت برقرار نہیں رکھ سکتے، لیکن یہ ''تسلیم کرنا'' صرف زبانی ہے۔ شرعی امور میں عملاً اب تک کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جا سکا۔

(۳) موجودہ ترقیات اور بدلے ہوئے حالات سے سب مرعوب و متأثر ہیں، لیکن مرعوبیت اور تأثر کا ظہور دو مختلف طریقوں سے ہو رہا ہے: ایک طبقہ حدود و قیود کو نظر انداز کر کے سب کچھ قبول کرنے میں خوش ہے اور دوسرا ماتم کرنے اور گریز و فرار کی راہ اختیار کرنے میں مگن ہے۔ مضطرب و غیر مطمئن نہ یہ طبقہ ہے اور نہ وہ ہے۔ پھر عدل و اعتدال کی ضرورت کس کو پیش آئے؟ اور اس کی راہیں کیوں کر کھلیں؟

(۴) عدل و اعتدال کی توقع متوسط طبقے سے ہو سکتی تھی، لیکن تجربے سے معلوم ہوا کہ متوسط طبقے کا عملاً اب تک وجود نہیں ہے۔ بعض حضرات کی خواہشیں یقیناً قابل قدر ہیں، لیکن وہ صرف خواہشیں ہیں، جو معمولی آزمائش کے وقت نہایت نیک نامی کے ساتھ دب جاتی ہیں اور پھر چند دنوں کے لیے اُبھر آتی ہیں۔ ان خواہشات کو بروئے کار لانے کے لیے کوئی مؤثر طاقت ہے اور نہ بے چین کر دینے والا احساس۔

(۵) یہ کام جرأت و ہمت اور کھلے دماغ کے ساتھ براہِ راست غور و فکر کے بغیر نہیں انجام پا سکتا، لیکن مذہب کے نام پر مختلف برادریاں اور گروہی تعلقات کی جکڑ بندیاں کچھ اس طرح گرفت میں لیے ہوئے ہیں کہ ان سے صرفِ نظر کر کے جرأت و ہمت کے مظاہرے کی توقع بے سود ہے اور ان کو ساتھ لے کر کھلے دماغ کے ساتھ کسی فیصلے کی اُمید بے کار ہے۔ (72)

یہ وہ حالات ہیں، جن کے باعث موجودہ دور میں اتنا فقہی سرمایہ ہونے کے باوجود ہم اجتہاد کے حوالے سے کوئی قابلِ قدر کام نہیں کر پا رہے۔ اگر ان مشکلات پر قابو پایا جا سکے تو ہم موجودہ دور میں اجتہاد کے خدوخال واضح کر کے اس سے بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔

(9) موجودہ دور میں اجتہاد میں احتیاط

چوں کہ اجتہاد کا کام انتہائی نازک ہے، اس لیے مجتہد کے لیے ضروری ہے وہ ذمہ داری اور نیک نیتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اجتہادی احکام مستنبط کرے۔ مولانا امینیؒ کے نزدیک

''نااہلوں کی رائے اور بلا کسی شرط وقید کے آزادانہ رائے کے اعتبار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' (73)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نااہل لوگ یہ کام کرنے لگ جائیں گے تو پھر اجتہاد کی اہمیت وافادیت بھی سوالیہ نشان بن جائے گی۔ چناں چہ اہل لوگ ہی اجتہاد کے حق دار ہوں گے۔ یہ اہل لوگ کون ہوں گے اور ان کی صلاحیتیں کیا ہوں گی؟ اس حوالے سے مولاناؒ نے کوئی وضاحت نہیں فرمائی۔ موجودہ دور میں اجتہاد کی نزاکت اور مشکلات کا ان کو بھرپور احساس ہے اور اس کی جھلک ان کی تحریروں میں بخوبی دیکھی جاسکتی ہے۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

''موجودہ دور میں ''جدید تدوین'' کا کام حالات وضروریات کے پیش نظر جس قدر زیادہ اہم ہے، اسی قدر نازک اور مشکل بھی ہے۔ اس کے نوک پلک درست کرنے کے لیے بڑی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کی ضرورت ہے۔ ''خورد بینی'' کی نگاہیں اس سلسلے میں بے کار ثابت ہوں گی۔ ''حقیقت بینی'' کی نگاہوں کے بغیر اس راہ میں قدم اٹھانا مزید خطرات کو دعوت دینا ہوگا۔'' (74)

دورِ حاضر میں ایک طبقہ وہ بھی ہے، جو ہر امر میں سہولت اور ہر حکم میں رعایت تلاش کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ احکام، جو مسلمہ اور غیر مبدل ہیں، ان میں بھی رعایت اور خودساختہ آسانی کا متلاشی ہے۔ اس حوالے سے مولانا امینی تحریر فرماتے ہیں:

''مذہبی قانون کے معاملے میں یہ رعایت اور زیادہ ''نزاکت'' اختیار کرلیتی ہے۔ کیوں کہ قانون کے کردار اور اثر کا تعلق بڑی حد تک روح اور مزاج ہی سے وابستہ ہے۔ جب اس سے غفلت ہوتی گئی تو قانون مؤثر ہونے کے بجائے خود ''متأثر'' ہونے لگتا اور رفتہ رفتہ اپنی ''قوتِ جاذبہ'' (پُرکشش صلاحیت) ختم کرکے معاشرتی ناہمواریوں اور بشری کمزوریوں سے سمجھوتہ کرلیتا ہے۔ پھر اس کی حیثیت ایک رسم یا محض ''ضابطہ'' کے خانہ پُری کے باقی رہ جاتی اور داخلی زندگی سے متعلق تقریباً ساری افادی صلاحیتیں ختم ہوجاتی ہیں۔'' (75)

اس لیے اس دور میں اجتہاد کا کام انتہائی ذمہ داری اور احتیاط سے کرنے کا ہے۔ تاکہ اجتماعیت کے تقاضے پورے ہوں۔ اجتہاد کو انفرادی خواہشات یا نفسانی جذبات کا کھیل بنا کر نہ رکھ دیا جائے۔ بلکہ اجتماعی زندگی کے مسائل حل کرنے کے نقطہ نگاہ سے سماجی تشکیل کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کا جذبہ کارفرما ہونا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(1) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۳۶۵: قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن۔

(2) ایضاً

(3) ایضاً، ص ۳۶۶۔۳۶۵۔

(4) ایضاً، ص ۳۶۶۔

(5) خیر محمد رمضان، تتمه الاعلام للزرکلی. ج ۲، ص ۱۳۵: دار ابن حزم، ۲۰۰۲ء۔

(6) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۳۶۷۔۳۶۶

(7) ایضاً، ص ۳۶۸۔

(8) یہ مولانا کی نامکمل تفسیر ہے۔حکمت قرآن میں سورۃ ال عمران تک قسط وار شائع ہوئی تھی۔اگر زندگی مہلت دیتی تو اردو تفاسیر میں ایک عمدہ اضافہ ہوتا۔

(9) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۳۶۷۔

(10) محمد جاوید، ڈاکٹر، افکار اقبال، ص ۱۹: اقبال اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۴ء۔

(11) سہ ماہی منہاج (نفاذِ شریعت نمبر) ص ۸۷: مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور۔

(12) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۲۱۔

(13) جعفری، حسین محمد، اقبال اور فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ص ۱۲۸: پاکستان اسٹڈی سنٹر، کراچی، ۱۹۸۸ء۔

(14) امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص ۱۸: قدیمی کتب خانہ کراچی، س۔ن۔

(15) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۲۳۷۔

(16) ایضاً۔

(17) ایضاً۔

(18) ایضاً، ص ۲۳۸۔

(19) ایضاً، ص ۲۳۹۔

(20) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۲: قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۹۱ء۔

(21) ایضاً، ص ۲۳۔۲۲۔

(22) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۳۵۱۔

(23) ایضاً۔

(24) ایضاً، ص ۳۵۴۔۳۵۳۔

(25) ایضاً، ص ۳۵۵۔

(26) ایضاً، ص ۳۵۶۔

(27) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۰۔۱۹۔

(28) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، ص۵۲۱: الفیصل تاجران وناشران کتب لاہور، ۲۰۰۵ء۔
(29) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص۲۰۔
(30) امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص۲۰۔
(31) ایضاً، ص۵۹۔
(32) چراغِ راہ (اسلامی قانون نمبر)، ج ۲، ص۲۷۰: دفتر چراغِ راہ، کراچی۔
(33) ایضاً، ص۲۷۴۔
(34) ایضاً، ص ۲۷۷۔
(35) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۲۳۷۔
(36) چراغِ راہ (اسلامی قانون نمبر)، ج۲، ص۱۵۴۔
(37) چراغِ راہ (اسلامی قانون نمبر)، ج۲، ص۱۴۶۔
(38) ایضاً۔
(39) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۲۳۷۔
(40) ایضاً، ص ۳۵۶۔
(41) القرآن، الطلاق، آیت۲۔
(42) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۳۵۸۔
(43) ایضاً، ص۳۶۱۔۳۶۰۔
(44) ایضاً، ص۳۶۲۔
(45) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص۳۶۳۔
(46) امینی، محمد تقی، احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، ص ۲۱۔
(47) امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص ۷۷۔
(48) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص۲۲۔
(49) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص۳۶۴۔
(50) امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص ۳۴۔
(51) امینی، محمد تقی، احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، ص ۲۰۔
(52) امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص ۶۶۔
(53) اس فن میں روایت کی پرکھ کے اصول سے بحث کی جاتی ہے کہ اس کا استنادی درجہ کیا ہے۔
(54) ''اجماعی مسائل'' سے مراد وہ مسائل ہیں، جن پر علما وفقہا کا اتفاق ہو۔
(55) ''حکمت''، وہ مصلحت ہے جو ابتدا ہی سے احکامات الٰہی کی بنیاد پر ہوم جب کہ ''علت'' اصول وحدود کی مصلحت پر دلالت سے نکالی جاتی ہے۔
(56) ''استحسان'' کے معنی ہیں قیاس کو ترک کر کے اس حکم کو اخذ کرنا جو لوگوں کے لئے زیادہ سازگار ہو۔
(57) ''استصلاح'' کا معنی ہے ضرورت ومصلحت کو بنیاد بنا کر مسائل کو اخذ کرنا جس طرح استحسان میں ہوتا ہے۔ یہ فقہ مالکی کی

اصطلاح ہے۔

(58) ''استدلال'' بہت سی صورتوں میں استصلاح سے بھی وسیع ہو جاتا ہے لیکن اس کا تعلق استنباط کے کسی مخصوص طریقے سے نہیں۔

(59) ''تعامل'' سے مراد اصحاب رسول کا عمل ہے۔فقہاء نے اس اصول سے بہت استفادہ کیا ہے۔

(60) قول یا عمل میں جمہور کی عادت کا نام ''عرف و رواج'' ہے۔

(61) فقہا نے فقہی مسائل اخذ کرنے کے کچھ اصول مقرر کیے ہیں، جنھیں ''فقہی اصول وکلیات'' کہا جاتا ہے۔

(62) ''تخفیف و سہولت'' کے اسباب آٹھ ہیں:

(۱) سفر (۲) مرض (۳) اکراہ(زبردستی) (۴) نسیان(بھولنا) (۵) جہل(لاعلمی)

(۶) عسر(مشکل) (۷) عموم البلویٰ(عام طور پر لوگوں کا مبتلا ہونا) (۸) نقص(قدرتی طور پر کمی)

(63) امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص ۶۸۔۶۷۔

(64) امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص ۶۸۔۶۷۔

(65) غالباً مولانا امینی نے ہندوستان کے معروضی حالات کے تناظر میں صرف پرسنل لا پر بات کی ہے۔

(66) ایضاً، ص ۷۹۔

(67) ایضاً، ص ۳۴۔

(68) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۳۶۴۔

(69) ایضاً، ص ۲۴۸۔

(70) ایضاً، ص ۲۴۹۔

(71) ایضاً، ص ۲۵۰۔

(72) امینی، محمد تقی، احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۲۵۔۲۴: الفیصل تاجران و ناشران کتب، لاہور، س۔ن۔

(73) امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص ۳۴۔

(74) امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص ۵۵۔

(75) ایضاً، ص ۵۶۔

☆☆☆☆☆

علمی لیکچر

اسلامی اقتصادی نظام کے اصول

[فاسٹ یونیورسٹی، اسلام آباد میں مدیرِ اعلیٰ کا ایک علمی، تحقیقی لیکچر]

(ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ کے بانی و سرپرستِ اعلیٰ حضرتِ اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ اپریل 2010ء میں راولپنڈی و اسلام آباد کے دورے پر تشریف لے گئے تھے۔ ان کے ہمراہ ''شعور و آگہی'' کے مدیرِ اعلیٰ حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد مدظلہٗ بھی تھے۔ اسلام آباد میں قیام کے دوران ڈائریکٹر فاسٹ یونیورسٹی اسلام آباد کیمپس جناب ڈاکٹر آفتاب احمد اور یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے سربراہ جناب پروفیسر حافظ محمد طیب ندیم کی دعوت پر مؤرخہ 24/اپریل 2010ء کو ''شعور و آگہی'' کے مدیرِ اعلیٰ، فاسٹ یونیورسٹی تشریف لے گئے۔ جہاں انھوں نے یونیورسٹی کے سیمینار ہال میں ''اسلامی اقتصادی نظام کے اصول'' کے موضوع پر طلبا و طالبات کے سامنے ایک علمی لیکچر دیا۔

سب سے پہلے جناب پروفیسر حافظ محمد طیب ندیم نے اس موضوع کا مختصر تعارف کرایا۔ پھر ایک طالبہ نے مدیرِ اعلیٰ کا مختصر تعارف پیش کیا۔ اس کے بعد جناب مفتی عبدالخالق آزاد نے اس موضوع پر درجِ ذیل لیکچر دیا۔ لیکچر کے بعد طلبا و طالبات نے موضوع سے متعلق سوالات کیے، جن کے مفصل جوابات دیے گئے۔ اس کے بعد ڈائریکٹر فاسٹ یونیورسٹی اسلام آباد کیمپس جناب ڈاکٹر آفتاب احمد نے اپنے تاثرات پر مبنی اظہارِ خیال فرمایا۔

اسلام کے اقتصادی اصولوں سے متعلق یہ علمی لیکچر اور اس حوالے سے طلبا اور طالبات کی جانب سے ہونے والے سوالات کے جوابات ضروری حوالہ جات اور ترتیب و تحقیق کے ساتھ آنے والے صفحات میں قارئین کے مطالعے کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں۔ مدیر)

خطبہ مسنونہ اور تمہیدی کلمات

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم،امّا بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرّجیم. بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم. قال اللّٰہ تعالٰی:

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ۝ (58-03:28)

و قال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: ''کانت بنوإسرائیل تسوسھم الأنبیاء، کلّما ھلک نبیّ خلفہٗ نبی آخر. الا! لا نبیّ بعدی، سیکون خلفاء، فیکثرون.'' (صحیح بخاری) و قال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: ''الإقتصاد فی النفقۃ نصف المعیشۃ.'' (کنز العمال عن ابن عمرؓ)

معزز صاحبِ صدر اور نوجوان طلبا و طالبات!

آج کے اس ماحول میں دین اسلام کی ایسی تعلیمات کو بڑے غور اور فکر و شعور سے حاصل کرنے کی ضرورت ہے، جو انسانی سماج کی تشکیل کے لیے لازمی اور ضروری حیثیت رکھتی ہیں۔ دنیا کی ہر زندہ قوم اپنے معاشروں کی تشکیل اپنے طرزِ فکر و فلسفہ اور School Of Thought کی بنیاد پر کرتی ہے۔ معاشرے اسی وقت ترقی کرتے ہیں، جب وہ اپنے فکر و نظریے اور اپنے اساسی فلسفے کو سامنے رکھ کر اپنے معاشرے کے سیاسی، معاشی، سماجی اور معاشرتی پہلوؤں کی عملی تشکیل کرتے ہیں۔

معاشروں کی تشکیل کے نظام ہائے حیات

ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں دو سکول آف تھاٹ ایسے ہیں، جنھوں نے اپنے اپنے معاشروں میں معاشی نظام قائم کیے ہوئے ہیں۔ ایک طرف سرمایہ داری نظام ہے، جو ایڈم سمتھ سے لے کر اب تک ان معاشی تصورات کی اساس پر اپنے معاشروں کی تشکیل کر رہا ہے۔ جس میں Capital، یعنی ''سرمایہ'' بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے Capitalism کی اساس پر اپنے فکر اور نظریے کو اپنی نسلوں اور قوموں کے ذہنوں میں منتقل کرنے کے لیے ایک ایسا نظامِ تعلیم تشکیل دیا ہے، جس پر تمام نوجوان اپنے فکر کی عملی تشکیل کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ اساس پر انھوں نے ادارے تشکیل دیے۔ نظامِ حیات بنایا۔ سیاسی ادارے اور معاشی سسٹم بنائے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ سرمائے کے تحفظ کے لیے عدالتی نظام، سماجی اور تہذیبی نظام تشکیل دیے۔ یہاں تک کہ سوسائٹی کے تمام نظام ہائے حیات کو سرمایہ دارانہ فکر پر استوار کیا۔

یہی حال اس سرمایہ داری نظام کے ردّ عمل میں پیدا ہونے والے سوشل اِزم کا ہے۔ چناں چہ جن ممالک نے سرمایہ داری نظام کے خلاف انقلابات برپا کیے، انھوں نے اپنے معاشروں کی تشکیل کے لیے مارکس اِزم کی اساس پر اپنے سیاسی، معاشی نظام قائم کیے۔ انھوں نے ''مزدوروں کی آمریت'' کے تصورات پر اپنے معاشروں کی تشکیل کو اپنا مطمحِ نظر بنایا۔ انھوں نے اپنے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اپنے اس طرزِ فکر و فلسفہ اور School Of Thought پر کی۔ اسی فکر کی اساس پر انھوں نے اپنے سیاسی ادارے بنائے۔ اسی کی اساس پر اپنے سماجی، معاشرتی اور معاشی ادارے تشکیل دیے۔

یہ حقیقت واضح رہے کہ معاشروں کی تشکیل میں فکر و فلسفہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ جب ہم انسانی سماج کی تشکیل کی بات کرتے ہیں تو یقیناً ہر انسانی سماج کے لیے ایک فکر و فلسفے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اسی فکر پر ایک سیاسی نظام قائم کیا جاتا ہے، جو اپنے جغرافیائی حدود میں بسنے والے لوگوں کی شیرازہ بندی کرتا ہے۔ پھر اسی فکر کی بنیاد پر ایک اقتصادی اور معاشی نظام تشکیل دیا جاتا ہے، جو اس معاشرے کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے دولت کی پیداوار، تقسیم، صَرف اور اس کے تبادلے کے قوانین بناتا ہے۔

مسلمان معاشروں کی ذمہ داری

سوچنے والی بات یہ ہے کہ مذکورہ دونوں نظام ہائے حیات اپنے اپنے فکر و فلسفے کی بنیاد پر اپنا سیاسی اور معاشی نظام تشکیل دیے ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ مسلمان معاشرے، جو اس حقیقت کو اپنے پیشِ نظر رکھتے ہیں کہ اُن کی بنیادی کتاب ایڈم سمتھ کی ''دولتِ اقوام'' نہیں ہے اور نہ ہی کارل مارکس کی ''داس کیپٹل'' ان کی بنیادی کتاب ہے۔ بلکہ وہ اس پر پورا یقین رکھتے ہیں کہ انسانی سماج کی تشکیل کے لیے کتابِ مقدس ''قرآن حکیم'' ایک بنیادی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہ عظیم الشان نبی ہیں، جنھوں نے محض ایک خاص نسل اور گروہ ہی کے لیے نظام نہیں دیا، بلکہ کل انسانیت کے فائدے کے لیے ایک عالم گیر نظامِ حیات تشکیل دیا ہے۔

یہ سوچنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان جب اس کتابِ مقدس پر ایمان رکھتا ہے تو اس کی ذمہ داریاں کیا بن جاتی ہیں۔ خاص طور پر وہ ممالک، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اسلام کے نام پر اپنے معاشروں کی تشکیل کریں گے۔ ایسے معاشروں میں مسلمان مرد و عورت اور خاص طور پر مسلمان نوجوانوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جس طرح دنیا کے دیگر ممالک اپنے اپنے فکر پر تعلیم و تربیت کا نظام اور پھر اس کے مطابق سیاسی نظام کی تشکیل کرتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ اس دور میں قرآن حکیم کے عملی، سیاسی، معاشی اور عمرانی نظام کی تشکیل کریں۔ اس کو چلانے کے لیے نہ صرف اس کا گہرا شعور اور تنظیمی مہارت اپنے اندر پیدا کریں، بلکہ اس کا سسٹم اور نظام قائم کرنے کے لیے عملی جدوجہد اور کوشش کریں۔

موجودہ دور کے تقاضے

ایک دوسری بات، جو پیشِ نظر رکھنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ دین اسلام کے سسٹم اور نظام کے غلبے کا تقریباً ہزار بارہ سو سال پر مشتمل جو دور گزرا ہے، عام طور پر مذہب کے نمائندے کسی درجے میں اس دور کی ترقیات اور خوش حالی کا تذکرہ کرتے ہیں، لیکن اس دینی فکر وعمل کے تناظر میں دورِ حاضر کے بنیادی تقاضوں اور بنیادی مسائل کو پیشِ نظر رکھ کر سیاسی، معاشی اور سماجی حوالے سے عملی سسٹم اور نظام قائم کرنے کے لیے کوئی عملی جدوجہد اور شعوری کوشش نہیں کرتے۔

موجودہ دور کا تقاضا ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ اس ڈیجیٹل ایج اور کمپیوٹر کے زمانے میں صنعتی انقلاب یا صنعتی پیداواری رشتوں کی حقیقت اور ساخت کیا ہے۔ اس حوالے سے اس دور کے عملی تقاضے قرآن حکیم اور اسلام کے سیاسی اور معاشی نظام کے تناظر میں کیسے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ گویا کہ دورِ حاضر کے سُلگتے ہوئے سیاسی اور معاشی مسائل کو قرآن حکیم اور دین اسلام کی تعلیمات کے تناظر میں سمجھنا، اس دور کا تقاضا اور ہماری بنیادی ذمہ داری ہے۔

اقتصادی اور معاشی تقاضے

موجودہ دور میں جب ہم اقتصادیات اور معاشیات کی بات کریں تو نہ صرف یہ کہ سرمایہ داری نظام اور سوشل اِزم کو زیر بحث لانا ہوگا، بلکہ اس حقیقت کی نشان دہی بھی کرنی ہوگی کہ دین اسلام کی اساسی تعلیمات ان بنیادی اُمور کے بارے میں کیا ہیں۔ ہر علم وفن میں جب تک کچھ بنیادی چیزیں طے نہ کرلی جائیں، اس وقت تک اس کے عملی پہلو سامنے نہیں آتے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے معاشرے کی عملی تشکیل کے لیے کن بنیادی اور اساسی اصولوں کو سامنے رکھیں۔ ہم اس وقت انسانی سماج کے صرف ایک پہلو، جس کا تعلق معاشیات کے ساتھ ہے، پر گفتگو کریں گے۔ فکر وفلسفہ الگ مستقل ایک موضوع ہے اور بڑا وسیع ہے۔ ہم یہاں اس نشست میں اسلام کے معاشی نظام کے بنیادی اصولوں کے حوالے سے بات چیت کریں گے۔

معاشیات کی حقیقت

جب ہم اس تناظر میں بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے اکنامکس اور معیشت کی حقیقت معلوم کرنا ہوگی۔ معاشیات کی بنیادی حقیقت یہ ہے کہ ایک طرف انسانوں کی ضروریات ہیں۔ دوسری طرف ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ گویا کہ وسائل معاش کا ایسا استعمال، جن سے انسانی ضروریات کی تکمیل اور تسکین ہوتی ہو، یہی بات علمِ معاشیات میں زیر بحث لائی جاتی ہے۔ انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے وسائل کی دست یابی اور پیداوار، ان کی تقسیم، ان کا تبادلہ اور ان کے درست استعمالات کو بنیادی طور پر پیشِ نظر رکھا

جاتا ہے۔ اس حوالے سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسانی معاشروں میں انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے وسائل کی دست یابی کن اصولوں اور ضابطوں کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ اور پھر ان وسائل کے استعمالات کے درست طریقے کیا ہوں۔ دنیا کا ہر نظام ان اُمور کی نشان دہی کرتا ہے کہ انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وسائلِ معاش کی پیداوار اور ان کے استعمالات کے اساسی اصول کیا ہیں۔

سرمایۂ دارانہ (Capitalism) نقطہ نظر

سرمایہ دارانہ نظام ایک خاص زاویے سے سرمائے (Capital) کے مفاد کے لیے انسانیت کو استعمال کرنے کے تصورات پر پیدائش دولت کے قوانین بیان کرتا ہے۔ اسی طرح اس نظام میں سرمائے ہی کے تحفظ کے لیے تبادلۂ دولت، تقسیمِ دولت اور صرفِ دولت کے قوانین وضع کیے جاتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام اُن ہی پہلوؤں سے انسانی معاشرے کی تشکیل کے تصورات دیتا ہے، جو صرف سرمائے کے تحفظ اور اس کی بڑھوتری کے حوالے سے ہوں۔ اس لیے کہ سرمایہ دارانہ معاشیات میں Capital کو اصل قرار دیا جاتا ہے۔ تمام انسان اور ذرائع پیدوار، سرمائے کے تحفظ کے لیے کردار ادا کرتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں یہ بات بھی طے شدہ ہوتی ہے کہ وہاں سرمائے کے تحفظ کے لیے ہی سیاسی ادارے اور حکمران طبقات وجود میں لائے جاتے ہیں۔ سرمائے کا استحصالی کردار، مقتدر طبقات کے افراد کو جمہوریت کے عنوان سے منتخب کرکے حکمران اداروں تک لے کر جاتا ہے۔ اس طرح سرمایہ پورے انسانی معاشرے پر حاوی ہوتا ہے، جب کہ انسانیت اس کے ظلم تلے سسکتی رہتی ہے۔

اشتراکیت (Socialism) کا نقطۂ نظر

اس کے مقابلے میں سوشل اِزم نے یہ کیا کہ انسانی ضروریات کی تکمیل کی دست یابی کا اس سے متضاد ایک تصور پیش کیا۔ انھوں نے سرمایہ داروں کی آمریت کے بجائے مزدوروں کی آمریت کا تصور پیش کیا۔ یعنی مزدور طبقات اور اُن کی سماجی تنظیم معاشی مسائل حل کرنے کے لیے اپنی آمریت قائم کرے۔ اس طرح مزدوروں کی قوت و طاقت کا عملی نظام قائم کرکے انسانی معاشرے کی تشکیل کی جائے۔ چناں چہ ان کے نقطہ نگاہ سے پیدائش دولت کے عمل میں ان کی بنیادی حیثیت ہو۔ اور تقسیم دولت، صَرفِ دولت اور تبادلۂ دولت میں بھی انھی کی قوت کارفرما ہو۔ اسی تصور کی اساس پر عوامی سیاسی نظام تشکیل دیا جاتا ہے۔ اسی کی اساس پر سماجی اور تہذیبی نظام تشکیل دیا جاتا ہے، لیکن اس نظام میں بھی ظلم وستم کے سبب پیدا شدہ معاشی مسائل پورے طور پر حل نہیں کیے جاتے۔

دینِ اسلام کا معاشی نظام

جب ہم انسانی ضروریات اور احتیاجات کی تسکین کے لیے ایک معاشی نظام کی بات کرتے ہیں تو دین اسلام

اس حوالے سے ہماری پوری رہنمائی کرتا ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات انسان کی معاشی زندگی کے تمام پہلوؤں کے حوالے سے مکمل رہنمائی دیتی ہیں۔ یہ تعلیمات، معاشیات کی حقیقت اور اس کی تعریف سے لے کر اس کے عملی نظام کے جملہ پہلوؤں کے حوالے سے ایک جامع اقتصادی اور معاشی نظام کی نشان دہی کرتی ہیں۔

سب سے پہلے ہم اسلام کے نقطہ نگاہ سے معاشیات کی حقیقت اور اس کی تعریف کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔ سرمایہ دارانہ سکول آف تھاٹ سے تعلق رکھنے والے لوگ، معاشیات کی تعریف میں دولت (Wealth) اور سرمایہ (Capital) کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔ چناں چہ ان کے نزدیک علم معاشیات کو ''دولت کی گردش کا علم'' قرار دیا جاتا ہے۔ اس طرح دولت کو ''اصل'' قرار دے کر انسان کو اس کے تابع بنا دیا جاتا ہے۔ جب کہ دین اسلام کی تعلیمات میں دولت کے بجائے انسان کو اصل قرار دیا گیا ہے۔ جب اسلام کے معاشی نظام میں انسانیت کو اصل قرار دیا ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے علمائے اسلام اور مجددین اُمت نے معاشیات کی بڑی جامع تعریف کی ہے۔

معاشیات کی جامع تعریف

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے آج سے تقریباً اڑھائی سو سال پہلے دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی کتابوں میں معاشیات کی درجِ ذیل تعریف کی ہے:

''الحکمة المعاشية: ان تستوفی حوائجک علٰی مراعاة الأخلاق الفاضلة، و العلوم التجاربية، و الرأی الکلّی.'' (البدور البازغه)

(علمِ معاشیات کی رو سے انسانی احتیاجات کی تسکین درجِ ذیل تین امور کو سامنے رکھ کر کی جائے:

1۔ اپنے دور کی سماجی اقدار اور اجتماعی اَخلاقِ فاضلہ

2۔ دریافت شدہ سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق دور کے تجرباتی علوم

3۔ عوامی مصلحتیں اور اجتماعی مفادِ عامہ)

اس تعریف سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انسانی ضروریات کی تسکین کے لیے وسائل معاش مہیا کرنے اور اس کی تقسیم و تبادلوں کے قوانین کی تشکیل میں تین بنیادی پہلوؤں کو سامنے رکھا جائے گا۔

ایک یہ کہ انسانی اقدار اور انسانیت کے اجتماعی اَخلاقِ فاضلہ کو پیش نظر رکھا جائے۔ ہر دور کے مطابق جو ان کے تقاضے بنتے ہیں، انھیں سامنے رکھ کر انسانی ضروریات کی تسکین کا عمل ہوگا۔

دوسری بات شاہ صاحبؒ نے یہ فرمائی ہے کہ کسی بھی دور کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی بنیاد پر جو ترقیات ہوئی ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں انسانی ضروریات کا ایک وسیع دائرہ سامنے آتا ہے۔ ان جدید ترقیات اور دریافتوں کو سامنے رکھتے ہوئے انسانی ضروریات کا تعین ہوگا۔ اور ان کی تسکین کا معاشی سسٹم اور نظام بنے گا۔

تیسری اور اہم ترین بات جو شاہ صاحبؒ نے فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ اجتماعی طور پر پورے معاشرے کے عمومی مفاد کو پیشِ نظر رکھا جائے گا۔ چناں چہ اسلام کے معاشی نظام میں مفادِ عامہ کے تصور پر پیدائش دولت، صرفِ دولت، تقسیم دولت اور تبادلہ دولت کا عمل ہوگا۔

اسلام کی معاشی تعلیمات میں انسان ''اصل'' ہے اور سرمایہ سمیت تمام اشیا، اگر انسانی فائدے کے لیے کام کر رہی ہیں، تو ایسا نظام درست کہلائے گا۔ اور اگر انسانیت کو ثانوی حیثیت دے دی جائے، اس کی جگہ پر سرمایہ یا کسی اور قوت و طاقت کو ''اصل'' قرار دے دیا جائے، تو ایسا معاشرہ اسلامی اور عادلانہ معاشرہ نہیں کہلائے گا۔ اس کا معاشی نظام درست خطوط پر نہیں ہوگا۔ یہ تو بنیادی حقیقت کی بات ہے۔

معاشی نظام کے بنیادی امور

دنیا کا ہر معاشی سسٹم اور نظام معاشی امور کے چار مراحل پر بحث و گفتگو کرتا ہے۔ اور اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ان چاروں مراحل کو کن اساسی اصولوں پر حل کیا جانا چاہیے، وہ چار مراحل یہ ہیں:

1۔ پیدائش دولت کا عمل
2۔ پیداشدہ دولت کی تقسیم کا عمل
3۔ دولت کی تجارت و تبادلے کے قوانین
4۔ دولت کے استعمالات کے ضابطے

دنیا کا ہر نظام ان چار اُمور پر بحث کرتا ہے۔ جو سکول آف تھاٹ ان چاروں اُمور کے حوالے سے رہنمائی دیتا ہے، اصول اور قوانین دیتا ہے۔ وہ ایک مستقل نظام کہلاتا ہے۔

قرآنی اصولِ معاشیات

ہم دیکھتے ہیں کہ سرمایہ داری اور سوشل اِزم کے مقابلے میں قرآن حکیم اور اسلام کی تعلیمات، معاشی نظام کے ان مذکورہ بالا چاروں اُمور میں انسانیت کی مکمل فکری اور عملی رہنمائی کرتی ہیں۔ قرآن حکیم کا اگر ہم گہرائی سے مطالعہ کریں تو یہ کتابِ مقدس معاشیات کے ان چاروں مراحل میں پیدا ہونے والے بنیادی مسائل حل کرنے کے لیے چار بنیادی اُصولِ معاشیات بیان کرتی ہے:

1۔ حق معیشت میں مساوات
2۔ درجاتِ معیشت میں فطری تفاوت
3۔ اکتناز و احتکار کی حرمت
4۔ سرمایہ و محنت میں عادلانہ توازن

1۔ حق معیشت میں مساوات

تمام انسان حق معیشت میں قانونی طور پر مساوی حق رکھتے ہیں۔یعنی کسی بھی ملک میں دستیاب وسائل معاش سے فائدہ حاصل کرنے کا موقع تمام انسانوں کے لیے یکساں طور پر ہونا چاہیے۔ اس میں کسی قسم کا طبقاتی، نسلی یا مذہبی امتیاز قائم نہیں رکھا جاسکتا۔قرآن حکیم نے اپنی دوسری سورۃ میں فرمایا کہ:

هُوَالَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (29:2)

(اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے، جس نے تمہارے لیے اس زمین پر وہ تمام وسائل معاش رکھے ہیں، جو تم تمام انسانوں کے لیے ہیں۔)

گویا کہ تمام انسانوں کے لیے تمام وسائل ہیں۔یعنی وسائل سے استفادہ کرنے میں کسی بھی حوالے سے طبقاتی نظام قابل برداشت نہیں ہے۔

2۔ درجاتِ معیشت میں فطری تفاوت

معاشی حوالے سے قرآن حکیم کی تعلیمات کا دوسرا بنیادی اُصول یہ ہے کہ ہر انسان کی ذہنی، فکری اور عملی صلاحیتیں یکساں نہیں ہوتیں۔ دستیاب وسائل معاش سے استفادہ کرنے کا حق تمام انسانوں کے لیے برابر ہے، لیکن جب انسان ان وسائل سے استفادہ کرتا ہے۔محنت و مشقت کرتا ہے۔تو صلاحیتوں کی کمی بیشی کی وجہ سے فطری طور پر کچھ درجات پیدا ہوجاتے ہیں۔اس طرح ذہنی صلاحیتوں اور عملی کردار کی وجہ سے انیس بیس کا فرق پیدا ہوسکتا ہے۔ تو درجاتِ معیشت میں ایک فطری تفاوت پایا جاتا ہے۔ چناں چہ قرآن حکیم میں ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (32:43)

(ہم نے تقسیم کردی ہے ان میں روزی، ان کی دنیا کی زندگی میں۔اور بلند کیے ہیں درجے بعض کے بعض پر کہ ٹھہراتا ہے ایک دوسرے کو خدمت گار۔اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے اُن چیزوں سے، جو سمیٹتے ہیں۔)

اس طرح درجاتِ معیشت میں ایک طرح کا فطری تفاوت پایا جاتا ہے۔ یہاں یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک ہے معاشرے میں طبقاتی فرق، یعنی ایک طبقہ وسائل پر قابض ہو اور دوسرا طبقہ محروم المعیشت ہو، یعنی دونوں میں ایک اور سو کا فرق پیدا ہوجائے۔ دین اسلام کی تعلیمات میں یہ درست نہیں ہے۔ دین کی تعلیمات کی روشنی میں سیاسی نظام کو یہ طاقت حاصل ہے کہ اگر معاشرے میں طبقات پیدا ہوتے ہیں تو اس کو کنٹرول کرے۔اور معاشرے میں فطری حد تک پائے جانے والے درجاتِ معیشت کو برقرار رکھے۔

3۔ اکتناز و احتکار کی ممانعت

معاشی حوالے سے قرآن حکیم اور حضورؐ کی تعلیمات کی روشنی میں تیسرا بنیادی اُصول جو سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ احتکار و اکتناز کی ممانعت ہے۔ احتکار کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں موجود اجناس کی ذخیرہ اندوزی کر دینا یا اُن اجناس کو ایک مخصوص طبقے میں بند کر دینا اور باقی انسانوں کو استفادہ کرنے سے روک دینا، اس عمل کو منع کر دیا گیا ہے۔ بلکہ حضورؐ نے تو ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے، جو معاشرے کی اجناس کو ایک جگہ جمع کرنے کا عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح زر اور دولت کو ایک جگہ مرتکز یا جمع کر لینا اکتناز کہلاتا ہے۔ اور یہ بھی غلط ہے انسانی معاشرے میں اکتناز کا یہ عمل نقصان دہ ہے۔ معاشی حوالے سے انسانی سوسائٹی میں اشیا و اجناس اور زر و جواہر کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لیے ان کو کسی مخصوص طبقے کے لیے جمع کر دینا، کسی طور پر بھی معاشی ترقی کا باعث نہیں بن سکتا۔

4۔ سرمایہ و محنت میں عادلانہ توازن

معاشی حوالے سے دین اسلام کی تعلیمات کا چوتھا اُصول یہ ہے کہ سرمایہ (Capital) اور محنت (Labor) میں عادلانہ توازن پیدا کیا جائے۔ انسانی معاشرے کی ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ سرمایہ اور محنت میں تعاونِ باہمی کا اُصول کارفرما ہو۔ سرمائے کا کردار استحصالی ہونے کے بجائے تعاونِ باہمی کا ہو۔ اور محنت کا کردار سوسائٹی کی مجموعی ترقی اور اجتماعی تعاون کی شکل میں سامنے آنا چاہیے۔

یہ چار بنیادی اساسی اصول ہیں، جو معاشرے کی اقتصادی تشکیل کے لیے ضروری ہیں۔ دین اسلام کی تعلیمات ان چاروں اصولوں کی بنیاد پر ایک مکمل معاشی اور اقتصادی نظام قائم کرتی ہیں۔ جس کی تفصیلات اس مختصر سے وقت میں بیان نہیں کی جاسکتیں۔

آج سوچنے والی بات یہ ہے کہ ان چاروں اُصولوں کو ہمارے نظامِ تعلیم میں زیرِ بحث نہیں لایا جاتا۔ اس کا اثر اور نتیجہ یہ ہے کہ ہم دین کی ان بنیادی تعلیمات سے قاصر اور غافل نظر آتے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس گزشتہ دو اڑھائی سو سال سے جو نظام قائم ہے، وہ سرمایہ دارانہ اُصولوں پر کام کر رہا ہے۔ وہ سرمائے کے تحفظ کی بنیاد پر کام کر رہا ہے۔ جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام ہمارے پورے معاشرے میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔ اور ہمارا نوجوان قرآن حکیم کی ان بنیادی تعلیمات سے ناآشنا ہے۔ اس کے مطابق نظام قائم کرنے سے قاصر نظر آتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنے معاشرے کا عملی سیاسی اور معاشی نظام اسلام کی اساس پر تشکیل دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

آج بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا نوجوان قرآن حکیم کی ان تعلیمات کو سامنے رکھے، جس کی اساس پر اس نے اپنے معاشرے کے نظام کو تشکیل دینا ہے۔ آپ دیکھیں کہ انسانی سوسائٹی کے پیداواری رشتے بدلتے رہتے ہیں۔ صنعتی، زرعی یا تجارتی دور کی بنیاد پر نئے رشتے وجود میں آتے ہیں۔ ان پیداواری رشتوں کی بنیاد پر نظام

قائم کیا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ موجودہ دور میں صنعتی پیداواری رشتوں میں جو معاشی تنظیم قائم ہوتی ہے، اجتماعیت قائم ہوتی ہے، ان کو درست خطوط پر استوار کرنے کے لیے ہمیں دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں کیا اقدامات کرنے چاہئیں۔ قرآن حکیم کو اس نقطۂ نظر سے پڑھنا اور سمجھنا اور اس پر بات چیت کرنا آج کے دور کا بنیادی تقاضا ہے۔

اس بات کو بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ انسانی معاشروں میں انسانوں کو ایک خاص دائرے میں محدود بنا کر مذہب، زبان یا کسی اور شناخت کی بنیاد پر طبقات پیدا کر دینا بھی درست عمل نہیں ہے۔ آج اس غلط نظام میں عام طور پر دین کے حوالے سے بات کی جاتی ہے، تو وہ انسانی نقطۂ نظر نہیں ہوتی، بلکہ کسی خاص گروہ اور شناخت کے حوالے سے بات چیت کی جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں ہماری سوسائٹی میں طبقاتی عمل فروغ پاتا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے۔ ہم ان فرقہ وارانہ دائروں سے نکل کر قرآن حکیم کی ان بنیادی تعلیمات کی روشنی میں معاشرے کے سیاسی، معاشی اور عمرانی مسائل کو سمجھیں۔ اور ان کو حل کرنے میں اپنی جدوجہد کو آگے بڑھائیں۔ خاص کر اس سرمایہ داری نظام کو سمجھنے کی کوشش کریں، جس نے ہمیں اَفلاس، غربت، طبقات اور سیاسی بدامنی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس سرمایہ داری نظام سے جان چھڑانے اور اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے ہمیں دین اسلام کی انسان دوست تعلیمات کو سامنے رکھ کر جدوجہد اور کوشش کرنی ہوگی۔

بلاشبہ اس برعظیم پاک و ہند میں ایک ایسی اولوالعزم جماعت رہی ہے، جس نے اسی تناظر میں جدوجہد اور کوشش کی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ تک ایسی عظیم الشان شخصیات ہیں، جنھوں نے معاشی نقطۂ نظر سے دین اسلام کی تعلیمات پیش کی ہیں۔ خاص طور پر سیاسی، معاشی اور عمرانی حوالے سے دین اسلام کی تعلیمات کو انسانیت کے سامنے رکھا ہے۔ ایسے اَفکار و تصورات انسانی معاشروں کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

آج ہمیں قرآن حکیم کی تشریحات کرنے والے ایسے مفکرین کو اپنے پیش نظر رکھنا ہے، جو معاشرے کی تشکیل کے حوالے سے درست کردار کے حامل ہوں۔ اور ان حضرات کا موازنہ ایسے یورپین اور مغربی مفکرین کے ساتھ کرنا ہے، جو محدود دائرے میں انسانی مسائل کے معاشی حل کی بات کرتے ہیں۔ اور ہمیں اس بات کو بھی جاننا ہے کہ دین اسلام کی تعلیمات نے انسانی معاشروں کے سیاسی، معاشی اور عمرانی مسائل کو حل کرنے میں تاریخی طور پر کتنا عظیم الشان کردار ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے معاشرے کے مسائل کو سمجھنے اور ان کو دین کی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

سوالات و جوابات

سوال(1): کیا اسلام کا کوئی اقتصادی نظام ہے؟ کہا جاتا ہے کہ اسلام کا کوئی اقتصادی اور معاشی نظام نہیں ہے۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام، سرمایہ داری نظام کے ساتھ موافقت رکھتا ہے۔

جواب: اسلام کے اقتصادی نظام کے حوالے سے گزشتہ گفتگو میں اس کے بنیادی نکات واضح کردیے گئے ہیں۔ دیکھیں! جب ہم سسٹم اور نظام کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو ہر نظام میں بنیادی طور پر کسی بھی کام کے مختلف مراحل اور اُمور کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔ جب ہم معاشیات کی بات کرتے ہیں تو اس میں یہ چاروں مراحل، یعنی پیدائش دولت، تقسیم دولت، صرفِ دولت اور تبادلہ دولت ہیں۔ جو سکول آف تھاٹ ان چاروں مراحل کے حوالے سے اپنا الگ فکر اور نظریہ رکھتا ہے، تو وہ ایک مستقل نظام بھی رکھتا ہے۔ یہ کہنا کہ ان چاروں مراحل کے حوالے سے دین اسلام کوئی نظریہ نہیں رکھتا، غلط بات ہے۔ سرمایہ داری نظام سے ہٹ کر ان چاروں مراحل کے لیے قرآن حکیم نے اصولِ معاشیات متعین کردیے ہیں۔ اس لیے قرآن حکیم معاشیات کے حوالے سے بھی ایک سسٹم اور نظام دیتا ہے۔

ایک اور اہم بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ساتویں صدی عیسوی سے سترھویں صدی عیسوی تک تقریباً ایک ہزار سال کا عرصہ ہے، جس میں مسلمانوں نے اس دنیا پر حکمرانی کی ہے۔ اگر اسلام میں کوئی معاشی نظام نہیں تھا، تو اس ہزار سالہ دور میں انسانوں کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا کیا طریقہ کار تھا۔ جب کہ سرمایہ داری کی عمر زیادہ سے زیادہ اڑھائی سو سال اور سوشل اِزم کی عمر ڈیڑھ سو سال ہے۔ اس کے مقابلے میں قرآن حکیم، جس کی تعلیمات پر مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک عملی نظام قائم کیے ہیں۔ یہ کہنا کہ اسلام کا کوئی معاشی نظام نہیں تھا، تاریخی طور پر بھی غلط ہے۔ اور علمی طور پر بھی غلط ہے۔ یہ بات دراصل وہ مفکر کرتے ہیں، جو سرمایہ داری نظام سے متأثر ہو کر دین اسلام کے معاشی نظام کا انکار کرتے ہیں۔ ایسے لوگ سرمایہ داری نظام کو ہم پر مسلط رکھنا چاہتے ہیں۔

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اسلام کے معاشی نظام کی سرمایہ داری نظام کے ساتھ قطعی طور پر کوئی موافقت نہیں ہے۔ اسلام انسان کو ''اصل'' قرار دیتا ہے اور سرمائے کو اس کے تابع بناتا ہے۔ جب کہ سرمایہ داری نظام سرمائے کو ''اصل'' قرار دیتا ہے اور انسان کو اس کے تابع بناتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے متضاد نظام ہیں۔ یہاں تک کہ سرمایہ دارانہ نظام، انسانیت دشمن نظام ہے۔

سوال (2): سوشل اِزم اور اسلام کے معاشی نظام میں کچھ باتیں مشترک ہیں۔ مثلاً دونوں نظام، معاشرے میں دولت کی سرکولیشن کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ دونوں میں کیا فرق ہوگا؟

جواب: اگرچہ عملی طور پر سوشل اِزم کے کچھ پہلو دین کے معاشی نظام کے ساتھ مماثلت رکھتے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے نتیجے میں اسلام اور سوشل اِزم دونوں ایک نظام بن گئے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ سوشل اِزم کی فلاسفی، یعنی ''فلسفہ جدلیت'' اسلام کے فلسفے سے قطعی متصادم ہے۔ دینی نقطہ نظر سے جامع فلسفے کی نشان دہی حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کی ہے۔ نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ ''جدل'' پر مبنی تصورات ''اشتراکیت'' کے بنیادی مفہوم سے قطعی متصادم ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آمریت خواہ سرمایہ داری کی ہو، یا پرولتاریا اور مزدوروں کی، اس کی بنیاد پر نظام قائم کیا جائے تو اس کے نتائج اچھے نہیں نکلیں گے۔ سرمایہ داری اور سوشل اِزم دونوں نظاموں کی آمریتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی سماج میں ان دونوں طرح کی آمریتوں کے منفی نتائج ظاہر ہوئے ہیں۔

اسلام اپنے بنیادی فلسفۂ توحید اور وحدتِ انسانیت کی اساس پر انسانی مسائل حل کرنے کے لیے معاشی نظام قائم کرتا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے بڑی اہم بات فرمائی ہے کہ ہم افرادِ انسانی میں پائے جانے والے طبقات میں لڑائی پیدا کرانے کے بجائے انسانی مسائل کو انسانی بنیادوں پر حل کرنے کی بات کرتے ہیں۔ جس کا تعلق کسی آمریت یا جبری تسلط کے ساتھ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق دراصل تمام انسانوں کے مسائل حل کرنے سے ہے۔

سوال (3): آپ نے سرمایہ داری نظام پر تنقید کرتے ہوئے اسے ہی انسانیت کا دشمن قرار دیا ہے، جب کہ دوسری طرف اکثر ممالک میں یہ سرمایہ دارانہ نظام ہی چل رہا ہے۔ تو کون سے ایسے پہلو ہیں، جن کی وجہ سے ہم سرمایہ داری نظام سے نجات حاصل کرنے کو ضروری سمجھیں۔

جواب: ایک طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سرمایہ داری نظام انسان دشمن کردار ادا کرتا ہے۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ اس نظام میں سرمایہ اور زر اصل ہے۔ ساری انسانیت کو اس سرمائے کے مفادات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ سرمائے کے حصول کے لیے کسی ملک پر جنگ مسلط کرنی پڑے یا کسی ملک پر قبضہ کرنا ہو تو سرمایہ داری نظام اس سے نہیں گھبراتا۔ وہ نظام سرمائے کے تحفظ، تیل اور گیس کے ذخائر پر قبضہ کرنے کے لیے انسانیت کا قتل عام کرنے سے کسی قسم کی عار محسوس نہیں کرتا۔

دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ دنیا کے اکثر ممالک میں سرمایہ داری نظام موجود ہے۔ تو ایسا کیوں؟ اس کا درست انداز میں تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جتنے ممالک اس وقت سرمایہ داری نظام کے تحت

زندگی بسر کر رہے ہیں، ان میں سے اکثریت ان ممالک کی ہے، جو پچاس ساٹھ سال قبل سامراجی ممالک کی نوآبادیات میں شامل تھے۔ اگر یورپین سامراجی ممالک کے تسلط سے نکلے تو امریکا کے زیر تسلط آ گئے۔ آج جن ممالک میں سرمایہ داری نظام موجود ہے، وہ دراصل امریکا کی جدید نوآبادیات ہیں۔ بظاہر آزادی حاصل کر لی گئی۔ لیکن ان کے حکمران اور بادشاہ عالمی سامراجی نظام کے جبر میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

اس کو ایک دوسرے تناظر میں بھی سمجھنا چاہیے کہ فرض کر لیں کہ اگر یہ سرمایہ داری نظام بہت اچھا ہے تو پھر اس نظام کے اچھے اثرات جس طرح امریکہ، برطانیہ وغیرہ میں نکل رہے ہیں، اسی طرح کے نتائج اور اثرات اُن تمام ممالک میں بھی نکلنے چاہئیں، جہاں جہاں سرمایہ داری نظام موجود ہے۔ مثلاً سوائے چند ممالک کے تمام مسلمان ممالک، بشمول پاکستان اور سعودی عرب میں سرمایہ داری نظام موجود ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ سرمایہ داری نظام امریکا اور برطانیہ میں سونے کی انڈے دیتا اور معاشی خوش حالی پیدا کرتا ہے اور افریقا اور صومالیہ جیسے ممالک میں غربت و افلاس کے انڈے، بچے دے اور معاشی بدحالی پیدا کرے۔ یہی سرمایہ داری نظام پاکستان میں غربت و افلاس پیدا کرے اور امریکا و برطانیہ یا دیگر سامراجی ممالک میں ان کے مفادات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنے۔

آپ دیکھیں کہ سائنس اور ریاضی کے اصول پوری دنیا میں ایک جیسے نتائج پیدا کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ امریکا میں دو اور دو چار ہوں اور پاکستان میں دو اور دو پانچ بن جائیں۔ اگر سرمایہ داری نظام اچھا ہے تو پھر یہ تضاد کیوں ہے کہ امریکا وغیرہ تو ترقی کریں، دنیا کے دوسرے ممالک ترقی نہ کریں۔ ان ممالک پر قرضے کیوں چڑھ رہے ہیں؟ پاکستان 1947ء اور 1948ء میں اپنے وسائل سے اپنا بجٹ بناتا ہے۔ اس کے بعد سے اب تک ہم قرض لے کر خسارے کا بجٹ بنا کر اپنا معاشی نظام چلاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر امریکا اور برطانیہ میں کوئی معاشی بہتری اور اقتصادی خوش حالی نظر آ رہی ہے تو وہ سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے نہیں، بلکہ دراصل ان اکثریتی ممالک کے استحصال اور ان کے لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے آنے والی دولت کا نتیجہ ہے۔ ان ممالک کے وسائل لوٹنے کی وجہ سے ہیں۔

آپ اندازا لگائیں کہ اگر آزاد ممالک کو اس لیے تباہ و برباد کیا جائے کہ ان کے تیل و گیس کے ذخائر پر قبضہ کرنا تھا، ان کی منڈیوں پر قبضہ کرنا تھا، اس کو انسان دوستی کا رویہ کیسے کہا جاسکتا ہے؟ سرمایہ داری نظام کے بہتر نتائج صرف حکمران طبقات کے حق میں تو اچھے ہیں کہ وہ تو اَربوں ڈالر جمع کر چکے ہیں۔ جب کہ یہاں کی اَسّی اور نوے فی صد آبادی اپنی بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو سرمایہ داری نظام ہر جگہ ایک جیسے نتائج نہیں دے رہا۔ کم از کم ہمارے جیسے ملکوں میں تو بہتری

کے نتائج قطعاً نہیں دے رہا۔ اب جن ممالک میں سرمایہ داری نظام کے منفی نتائج پیدا ہو رہے ہیں، ان کا اس معاشی نظام کے ساتھ لگے رہنا کوئی انصاف کی بات نہیں ہے۔

سوال (4): آپ نے فرمایا کہ سرمایہ داری نظام میں ''سرمایہ'' اصل اور اسلام کے معاشی نظام میں ''انسان اور اس کی محنت'' اصل ہے تو اگر کسی کے پاس ''سرمایہ'' نہ ہو تو محض انسانی محنت کیا نتائج پیدا کرے گی؟ سرمائے کے بارے میں صحیح نقطہ نگاہ کیا ہونا چاہیے؟

جواب: یہ بات عرض کی گئی تھی کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں انسان اور اس کی محنت اصل ہے۔ سرمائے کے بارے میں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بھی دراصل انسان کی منجمد محنت ہے۔ جو انسانوں کے تخلیقی عمل کے ذریعے سے سامنے آتی ہے۔ اب اس تخلیقی محنت کے ذریعے سے ہم مزید دولت کماتے ہیں تو اِسے ''سرمایہ'' کہا جاتا ہے۔ اگر اس سے انسانی ضروریات پوری کرلی جائیں تو ''دولت'' کہا جاتا ہے۔ اب اگر یہ ''سرمایہ''، ''انسانی محنت'' کو ترقی دے، اس کے فائدے کے لیے استعمال ہو تو یہ دراصل سرمائے کا تعاونِ باہمی پر مبنی کردار ہے۔ جب کہ سرمائے کا استحصالی کردار یہ ہے کہ انسانی محنت کو سرمائے کے تابع بنا دیا جائے۔ سرمائے کا ایسا کردار استحصالی اور غلط ہے۔ یہ تصور کرنا درست نہیں ہے کہ جب ہم انسان اور اس کی محنت کو اصل قرار دیتے ہیں تو سرمائے کی بالکل نفی کر دیتے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے، بلکہ سرمائے کے بغیر تو اس دور میں ترقیات کا عمل جاری نہیں رکھا جاسکتا، لیکن سرمائے کی حیثیت کا تعین کرنا ضروری ہوگا۔ کہ وہ انسان کی محنت کے ساتھ تعاونی کردار ادا کرے یا بالادست طاقت حاصل کر کے انسانی محنت کا استحصال کرے۔ صحیح بات یہ ہے کہ سرمائے کے تعاونی کردار کو ترجیح دی جائے۔

سوال (5): معاشی نظام اور اَخلاقیات کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

جواب: یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ معاشیات کا تعلق دنیا کے اُمور کے ساتھ ہے۔ اور اسلام صرف روح اور اَخلاقی پہلو کی بات کرتا ہے۔ یہ تصور اسلام کے حوالے سے درست نہیں ہے۔ دراصل دینِ اسلام انسانی نوعی تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے۔ انسان صرف روح کا نام نہیں ہے اور نہ انسان صرف جسم کا نام ہے۔ اس حوالے سے دو انتہا پسند تصورات پائے جاتے ہیں:

1۔ ایک یہ کہ انسان ایک سماجی جانور (Social Animal) ہے۔ اس کے حیوانی تقاضوں کی تکمیل کے لیے نظام بننا چاہیے۔ سرمایہ داری اور سوشل اِزم دونوں ہی انسان کا مادی حوالے سے مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ دونوں نظام اسی حوالے سے افکار اور نظام تشکیل دیتے ہیں۔

2۔ دوسرا تصور یہ ہے کہ انسان صرف روح کا نام ہے۔ جسم صرف لباس ہے۔ جسم کے تقاضوں کو پورا کرنا ''دنیاداری'' ہے۔ دین صرف یہ ہے کہ محض روح کے تقاضوں کی تکمیل کی جائے۔

قرآن حکیم نے ان دونوں انتہا پسندانہ تصورات کی نفی کی ہے۔ اسلام نے رہبانیت کی بھی نفی کی ہے۔ چناں چہ قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے:

''وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ ''(27:57)

(رہبانیت اختیار کرنے کی بات لوگوں نے خود بنالی ہے۔ہم نے ان پر یہ بات فرض نہیں کی تھی۔)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''لا رهبانية في الاسلام'' (اسلام میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں۔) (کنز العمال)

اسی طرح اسلام نے محض جسمانی خواہشات کے حیوانی تصورات کی بھی نفی کی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان جسم اور روح دونوں کا مجموعہ ہے۔ دونوں سے مل کر انسان وجود میں آیا ہے۔ اب دین اسلام نے روح کی تکمیل کے لیے اَخلاقیات مقرر کیے ہیں۔ اَخلاقیات سے مراد وہ چار اَخلاق ہیں، جن پر تمام انسانیت کی تشکیل ہوتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انسانیت کے بنیادی اَخلاق چار بیان فرمائے ہیں:

1۔ طہارت: پاکیزگی۔ ہر فرد روحانی، جسمانی اور معاشرتی پاکیزگی اختیار کرے۔

2۔ اِخبات: ہر انسان فطری طور پر بالادست طاقت کو تسلیم کرتا ہے۔ یعنی اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس خُلق کے عملی اظہار میں اسلام کا تصور زیادہ جامع ہے۔

3۔ ہر انسان عزتِ نفس کو پسند کرتا ہے۔ جس کو سماحت کہتے ہیں۔

4۔ عدالت کا خلق بھی انسانی معاشرے کا بنیادی تقاضا ہے کہ انسانی معاشرے میں عدل و انصاف کا نظام قائم ہونا چاہیے۔

اسی طرح جسمانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے بھی ہمیں ایک عملی نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانوں کے لیے سہولتوں کا ایک نظام قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو کہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کے ذریعے سے لوگوں کی ضروریات کو پورا کرے۔ انھیں شاہ صاحبؒ کی اصطلاح میں ''ارتفاقات'' کہا جاتا ہے۔ اسی لیے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کی تعلیمات جہاں اَخلاقیات کی تکمیل کے لیے درس دیتی ہیں، وہیں ہماری جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے سیاسی اور معاشی حوالے سے خلافت و حکومت کو معاشرے کے لیے ضروری قرار دیتی ہیں۔ جس کے ذریعے سے ارتفاقات کا نظام قائم ہوتا ہے۔ گویا اَخلاقیات کا بڑا گہرا تعلق ہے سماجی ارتفاقات کے ساتھ ہے۔ دراصل مسلمان وہ جماعت ہے، جو دونوں میں اعتدال پیدا کرکے معاشرے کی مجموعی ترقی کا کردار ادا کرتی ہے۔

سوال (6): کہا جاتا ہے کہ اسلام میں صرف چند اَقدار و اَخلاق ہیں، کوئی مستقل معاشی نظام نہیں ہے؟

جواب: یہ جو تصورات پیدا کر دیے گئے ہیں کہ ''اسلام میں کوئی معاشی سسٹم نہیں ہے''، درست نہیں۔ گزشتہ گفتگو میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ دین اسلام کا ایک مستقل معاشی نظام ہے۔ اس لیے کہ جو فکر و فلسفہ پیدائش دولت، تقسیم دولت، تبادلہ دولت اور صرفِ دولت کے قوانین اور ضابطے بیان کرے، اور انھیں عمل میں لانے کا طریقۂ کار واضح کرے، وہ ایک مکمل نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ارتفاقات کی بنیاد پر قومی اور بین الاقوامی نظامِ سیاست و معیشت کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ نو جوان نسل کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس نقطۂ نظر سے دین اسلام کا شعوری طور پر مطالعہ کرے۔

سوال (7): سرمایہ دارانہ نظام میں بینکاری نظام، پرافٹ کی بنیاد پر چلایا جاتا ہے اور پرافٹ اسلام میں بھی حلال ہے۔ اگر یہ ترک کر دیں تو بینکاری نظام کیسے چلائیں گے، نیز اسلامی بینکاری کی کیا شکل ہوگی؟

جواب: بینک کے بارے میں یہ تجزیہ کرنا ضروری ہے کہ وہ بنیادی طور پر کیا کام کرتا ہے۔ جب ہم معاشیات پڑھتے ہیں اور اس میں سرمایہ دارانہ نقطہ نظر سے بینک کے کردار کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ بینک کا بنیادی کام سرمائے کی تشکیل ہے۔ یعنی وہ لوگوں کی چھوٹی چھوٹی بچتیں جمع کر کے کسی کاروباری آدمی کو دیتا ہے، تا کہ وہ اپنے کاروبار کو بہتر انداز میں فروغ دے سکے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب پوری سوسائٹی کا نظام سرمائے کی اساس پر ہوگا اور اسی کی بنیاد پر پیدائش دولت وغیرہ کا نظام ہوگا۔ تو ایسے سرمایہ داری نظام میں بینک استحصالی بنیادوں پر کام کرے گا۔ یہ نظام جائز کاروبار کے حوالے سے پرافٹ کی بنیاد پر کام نہیں کرتا، بلکہ استحصالی بنیادوں پر سودی نظام کے طور پر ہی کام کرتا ہے۔ اور جب پورا معاشی سسٹم غلط ہو تو محض ایک بینک کو اسلامی نہیں بنایا جاسکتا۔ ایسے سسٹم میں رہتے ہوئے ''اسلامی بینکاری'' کا دعویٰ کرنا ایک فریب ہے۔

اسلام کے معاشی نظام میں بینکنگ سسٹم تعاونِ باہمی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ جس میں شریک تمام لوگوں کو فائدہ دیا جاتا ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب پورا معاشی نظام دین اسلام کے اقتصادی نظام کے مطابق تشکیل دیا جائے۔

سوال (8): اس وقت دنیا کے تقریباً 70% ممالک میں سرمایہ داری نظام موجود ہے۔ ہم بات کرتے ہیں کہ اسلام کا معاشی نظام قائم ہونا چاہیے۔ مسلمان ممالک کمزور ہیں۔ اسلام کا معاشی نظام کیسے غالب ہوسکتا ہے؟

جواب: پہلے بھی یہ بات ہوئی کہ معاشی نظام دراصل مکمل سیاسی اور سماجی نظام کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ جب کسی معاشرے میں مکمل نظام نافذ ہوتا ہے تو اس کے پیچھے دراصل سیاسی طاقت کام کرتی ہے۔ آج اگر 70% ممالک میں سرمایہ داری نظام ہے تو اس کی پشت پر امریکا اور برطانیہ کی سیاسی طاقت موجود ہے۔ حتیٰ کہ ہم نے دیکھا کہ جنگِ عظیم دوئم میں برطانیہ فوجی نقطۂ نگاہ سے جنگ جیت کر بھی معاشی حوالے سے ہار گیا

کہ وہ اس جنگ کے نتیجے میں معاشی طور پر دیوالیہ ہوگیا۔ اس کو سب سے پہلے عالمی سرمایہ دار ممالک اور اداروں سے قرضہ لینا پڑا۔ آج حالت یہ ہے کہ برطانیہ امریکا کی ہر حکمتِ عملی میں ہاں میں ہاں ملاتا ہے۔ عراق کو تباہ کرنا ہو، افغانستان کو تورابورا بنانا ہو، برطانیہ، امریکا کا اتحادی ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ برطانیہ جیسی طاقت، جو دوسو سال تک دنیا میں حکمران رہی، سیاسی کمزوری کی وجہ سے وہ بھی آج امریکا کے ماتحت ہوکر زندگی بسر کرتی ہے۔ باقی 70% ممالک، جن کی آپ بات کرتے ہیں، ان کا کیا حال ہوگا؟ وہ تو ایک قدم بھی امریکا کی مرضی کے بغیر نہیں اُٹھاتے۔ ہر اقتصادی نظام کی پشت پر سیاسی طاقت کارفرما ہوتی ہے۔

اگر ہم اسلام کا معاشی نظام معاشرے میں لانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنا سیاسی نظام بھی لانا ہوگا۔ جن ممالک نے اپنی سیاسی طاقت قائم کرلی انھوں نے اپنے معاشی نظام بھی قائم کیے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ انقلاب برپا کرنے والے بہت سے ممالک نے اپنے ملکوں سے امریکی اثر و رسوخ اور سرمایہ داری نظام کو نکال باہر کیا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے لیے آزادانہ سیاسی اور معاشی نظام تشکیل دیا۔

سوال (9): اسلام کے جس معاشی نظام کی ہم بات کرتے ہیں، عملی طور پر اس کا نفاذ نہیں ہو رہا۔ جب کوئی حکومت جاگیرداری اور سرمایہ داری ختم کرنے کے لیے عملی اقدامات کی کوشش کرتی بھی ہے تو مذہبی طبقات اس میں رُکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ زرعی اصلاحات کو روکنے اور جاگیرداری کو بچانے کے لیے انھی لوگوں نے 70ء کی دہائی میں واویلا مچایا، اس کا کیا حل ہے؟

جواب: ہماری سوسائٹی پر ایک ٹرائیکا مسلط ہے۔ مقتدر حکمران طبقات کی سیاسی طاقت، سرمایہ دار اور جاگیردار کی معاشی قوت اور رجعت پسند مذہبی قوتوں نے ہمارے معاشرے کو بُری طرح جکڑا ہوا ہے۔ کسی معاشرے میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو اس کی ذمہ دار دراصل یہ ٹرائیکا ہوتی ہے۔ فرعونی نظام، جو دنیا پر مسلط تھا، جس کا ذکر قرآن حکیم نے بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے، وہ بھی اسی ٹرائیکا پر مشتمل تھا۔ یعنی فرعون، ہامان اور قارون۔ فرعون سیاسی حکمران طبقوں کا نمائندہ، ہامان رجعت پسند مذہبی قوت کا نمائندہ اور قارون معاشی ارتکاز کرنے والی طاقتوں کا نمائندہ تھا۔ آج ہمیں یہ بات اچھی طرح جاننی چاہیے کہ ہم نے اس ٹرائیکا سے کیسے جان چھڑانی ہے۔ اسلام میں پاپائیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم کا مطالعہ کریں۔ اس حوالے سے اپنے اندر شعور پیدا کریں۔

آپ نے تو 70ء کے عشرے کی بات کی ہے۔ بات اس سے بھی پہلے کی ہے۔ پاکستان میں جھنڈا لہرانے والی شخصیت وہ ہے، جس نے جاگیرداری پر ایک کتاب ''اسلام میں جاگیرداری کی اہمیت'' لکھی ہے۔ پھر باقاعدہ اس کتاب کو فروغ دیا گیا ہے۔ ان کے ہی متعلقین میں سے ایک صاحب نے ''اسلام کا زرعی

نظام'' لکھا۔ جس میں جاگیرداری نظام کو سپورٹ کیا گیا۔ جب سرمایہ داری نظام کی بات آتی ہے تو مذہب کے نام پر اس کی حمایت بھی کی جاتی ہے۔ اس قسم کے تصورات، جن سے سرمایہ داری نظام کی حمایت ہوتی ہو، بڑی غلط بات ہے۔ آج مسلمان نوجوانوں پر بڑی ذمہ داری ہے کہ قرآن کا انقلابی نقطۂ نظر سے مطالعہ کر کے اپنے اندر تنظیم پیدا کریں اور عقل وشعور کی بنیاد پر معاشرے میں مثبت تبدیلی لانے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔

سوال (10): دین اسلام کی تعلیمات میں یہ ہے کہ جمع کی ہوئی دولت آخرت میں گردن کا طوق بن جائے گی۔ کیا یہ سرمایہ داری کی مذمت نہیں ہے؟ پھر ہمارے حکمران طبقوں نے سرمایہ داری کو کیوں ہم پر مسلط کیا ہوا ہے؟ اصل ذمہ دار تو یہی طبقات ہیں، ہم امریکا اور برطانیہ کو ساری صورتِ حال کا ذمہ دار کیوں ٹھہراتے ہیں؟ اور انھیں بُرا بھلا کیوں کہتے ہیں؟

جواب: قرآنِ حکیم میں آتا ہے کہ:

''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ''

''جو لوگ دولت کا اِرتکاز کرتے ہیں۔ اور اس کو اللہ کے راستے میں انسانیت کے فائدے کے لیے استعمال نہیں کرتے، ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری ہے۔'' (34:9)

اسلام میں اس قسم کا عمل یقیناً غلط اور حرام ہے۔ جن ممالک میں اسلام کے نام سے چند خاندانوں کی حکومتیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ دینی اصول ان کے اقدامات اور فیصلوں سے متعین نہیں کیے جاسکتے۔ کیوں کہ یہ حکومتیں دراصل امریکا اور سامراج کی آلہ کار ہیں۔

ہم یہ دیکھیں کہ مسلمانوں کے غلبے کے دور میں چار خلافتیں رہی ہیں۔ اور ایک ہی حکومت کے تحت تمام ممالک رہے ہیں۔ مرکزی سطح پر وہ ایک خلافت ہی ان ممالک کو کنٹرول کرتی رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ کا چالیس پچاس سال کا دور ہے۔ جس میں مدینہ یا کوفہ کے مرکز سے پورا نظامِ حکومت چلایا جاتا تھا۔ اس کے بعد بنواُمیہ کا سو سال کا دور ہے۔ جس میں دمشق کے مرکز سے سارے ممالک کا نظام چلایا جاتا تھا۔ اس کے بعد چھ سات سو سال بنوعباس کا دور ہے۔ اس میں بغداد کے مرکز میں بیٹھ کر سارے ممالک کا نظام چلایا جاتا تھا۔ اس کے بعد خلافتِ عثمانیہ کا تقریباً چھ سو سالہ دور ہے۔ تو ان کا نظام بھی ایک ہی جگہ سے کنٹرول ہوتا تھا۔

جنگِ عظیم اول کے بعد یکا یک بہت سے اسلامی ممالک کھمبیوں کی طرح کیسے اُگ آئے۔ ایسا دراصل جنگِ عظیم میں خلافتِ عثمانیہ کی شکست کے بعد سامراجی ممالک کی بندر بانٹ کی وجہ سے ہوا ہے۔ انھوں نے چھوٹے چھوٹے ممالک بنا دیے اور ان پر غدار حکمران مسلط کر دیے۔ یہ سب ممالک 1924ء کے

بعد بنے ہیں۔ سوچنے والی بات کہ ان پچاس ساٹھ ''اسلامی'' ممالک کے حکمران جنگِ عظیم دوم میں کس کے اتحادی تھے؟ کن کے ساتھ مل کر کام کیا؟ عالمی سامراجی طاقتوں کے ساتھ مل کر کام کیا۔ یہ بات الگ ہے کہ امریکا اور برطانیہ خود یہ کام نہیں کر سکتے، جب تک کہ ہمارے علاقوں سے ان کو غدار نہ ملیں۔ لیکن ہمارے اپنے لوگ ہوں یا باہر سے آئی ہوئی طاقت وقوت ہو، دونوں نے مل کر عالمی طاغوتی نظام تشکیل دیا ہوا ہے۔ اب یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ساٹھ اسلامی ممالک نے ایک نظام بنایا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ اسلامی نظام بن گیا۔ بلکہ اس کے تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ہم امریکا اور برطانیہ پر اس لیے تنقید کرتے ہیں کہ ان سامراجی ممالک نے اپنے مفادات کی نگہبانی کے لیے نام نہاد مسلمان حکمرانوں کو ہم پر مسلط کیا ہوا ہے۔ اور قرآنِ حکیم کی بنیادی تعلیمات سے متصادم سرمایہ داری نظام کے ذریعے سے ہمارا استحصال کیا جا رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کا صحیح شعور حاصل کیا جائے اور اس کے سیاسی غلبے کے لیے آزادی اور حریت کی اساس پر جدوجہد اور کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

(لیکچر اور سوال و جواب کے بعد ڈائریکٹر فاسٹ یونیورسٹی اسلام آباد کیمپس جناب ڈاکٹر آفتاب احمد صاحب نے درجِ ذیل تأثرات پر مبنی اظہارِ خیال فرمایا:)

اظہارِ خیال ڈاکٹر آفتاب احمد صاحب

ڈائریکٹر فاسٹ یونیورسٹی، اسلام آباد

آج کا یہ خطاب یقیناً بڑا اہم تھا۔ آپ نے اس سے بڑا فائدہ حاصل کیا ہوگا۔ حضرت مفتی صاحب نے اسلام کے اقتصادی نظام کے حوالے سے اصولی باتیں آپ کے سامنے بیان کر دی ہیں۔ یہ چیزیں ہمیں اپنے معاشرے میں نظر نہیں آتیں۔ کیوں کہ ان اصولوں کا غلبہ نہیں ہے۔ جیسا کہ مفتی صاحب نے فرمایا کہ پاکستان بننے کے بعد جو کام ہم نے بنیادی طور پر کرنا تھا، وہ نہیں کر پائے۔ اس سلسلے میں جو ہمارے دشمن تھے، انھوں نے تو دشمنی والا کردار ادا کیا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ یہ کام نہ ہوں، لیکن جو لوگ کام کرنا چاہتے تھے، ان کا کردار بھی کوئی تعمیری نظر نہیں آتا۔ جیسا کہ مفتی صاحب نے بیان کیا کہ جن لوگوں نے پاکستان کا جھنڈا لہرایا تھا، انھوں نے اسلام دشمن نظام کی حمایت میں لکھا۔

آج کی صورتِ حال، جس کو علامہ اقبال نے بھی بیان کیا ہے، یہ ہے کہ ان دو طبقات میں تعاون نہیں ہے۔ جو حضرات مدارس کے پڑھے ہوئے ہیں، ان میں سے اکثریت کا ذہن محدود ہے۔ عام طور پر یہ لوگ اصل معاشرتی مسائل سے کوتاہ نظری کرتے ہیں۔ حال آں کہ وہ بڑے شوق، جذبے اور محنت سے کام کرتے ہیں۔ اور کالج یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والوں میں اس حوالے سے طلب کی کمی ہے، وہ تلاش نہیں کرتے۔ جو ہمارے پاس معلومات ہیں، وہ ناکافی ہیں۔

آپ نوجوان ہمارا مستقبل ہیں۔ آپ ہی میں سے وہ لوگ نکلیں گے، جو اس پر کام کریں گے۔ خود مفتی صاحب پنجاب یونیورسٹی سے پڑھے ہیں۔ اللہ نے ان کو علم کی گہرائی سے نوازا ہے۔ بڑی بات ہے کہ جس انداز میں آپ نے ان سے باتیں سنی ہیں، یقیناً کسی اور جگہ سے نہیں سنی ہوں گی۔ اگر ہم اپنے معاشرے میں مثبت تبدیلی لانا چاہتے ہیں تو یہ تبدیلی علم کے ذریعے سے آئے گی۔ یہ خفیہ اور تشدد پسند تنظیمیں بنانے سے نہیں آئے گی۔ یہ دھماکے کرنے سے نہیں آئے گی۔ ہمیں چاہیے کہ کالج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم میں بھی شوق پیدا کریں۔ اور پھر یہ بھی نہیں کہ تمام مذہبی طبقات کوتاہ نظری کا شکار ہیں، بلکہ کچھ لوگ درست کام کرنے والے بھی ہیں۔ آپ کو ان سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔

دوسری بات، جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ آپ کے سامنے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نام آیا تو اس سے مجھے ایک بات کا خیال آیا کہ ہماری کتابوں پر یورپین مفکرین کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ وہ جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو ہم ان سے بڑے متأثر ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ جب کسی بڑے عالم کا نام آتا ہے تو وہ لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی اس شخصیت کا کردار ہے۔

آپ کے جذبے اور تحریک کو اللہ تعالیٰ زندہ رکھے۔ یہ بڑے سرمائے کی بات ہے۔ اپنی قوم کے بارے میں فکرمند ہونے کا جذبہ سب سے قیمتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ آپ کا جذبہ کسی طالع آزما کے کام نہ آئے کہ وہ تشدد کے راستے پر ڈال کر آپ کے جذبے کو استعمال کرے۔ تمام شرکا اور خاص کر مفتی صاحب کا شکریہ!

(ڈائریکٹر صاحب کے تأثرات کے بعد اس نشست کا اختتام ہوا۔ اور انھوں نے یونیورسٹی کی طرف سے اعزازی شیلڈ مفتی صاحب کی خدمت میں پیش کی۔)

☆☆☆☆☆

اجتهاد کی ضرورت واہمیت

مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ ان علما میں سے تھے، جنھوں نے موجودہ دور میں اجتہاد کی ضرورت کو نہ صرف شدت سے محسوس کیا، بلکہ اس باب میں اپنی خدماتِ جلیلہ سے ایک تاریخ رقم کی۔ اس حوالے سے مولاناؒ کی تمام زندگی ایک جہدِ مسلسل سے عبارت تھی اور تادمِ آخر وہ اپنی اس ذمہ داری کو فرض سمجھتے ہوئے نبھاتے رہے۔ فرماتے ہیں:

ہر دور کا ایک ذہن اور ہر عہد کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ ذہن اور مزاج کی مناسبت سے ہر کام کے موقع و محل اور اس کی سمتوں کی تعیین ہوتی ہے۔ اسی طرح اجتہاد کا تعلق بھی بڑی حد تک موقع و محل سے تعلق رکھتا ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ قومی و جماعتی زندگی کے ادوار بدلتے رہتے ہیں۔ اس بنا پر اجتہاد کے موقع و محل اور اس کی سمتوں میں بھی تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے۔ مولاناؒ کے نزدیک اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مجددین (تجدید کرنے والوں) نے اجتہاد کے کام کو جاری رکھا۔ البتہ موقع و محل کی مناسبت سے اس کی نوعیت اور کارکردگی کی کیفیت میں یقیناً فرق رہا۔ اس فرق میں قوم کی ضرورت اور تحمل و برداشت کی رعایت ملحوظ تھی کہ اس کے بغیر نہ اجتہاد کا اصل مقصد حاصل ہوسکتا ہے اور نہ ہی قوم وملت کے لیے وہ مفید بنتا ہے۔ حیاتِ انسانی میں بعض اوقات کچھ ضرورتیں ایک دور میں اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، لیکن بعد کے دور میں ان کی ویسی اہمیت نہیں رہتی۔ اسی طرح بعض ضرورتیں ایک دور میں اہمیت کی حامل نہیں ہوتیں، لیکن بعد کے دور میں اہمیت اختیار کر جاتی ہیں۔ اس حوالے سے مولاناؒ لکھتے ہیں: ''ایک مبصر کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر ضرورت کو اس کے درجے اور مقام میں رکھ کر اس کو عملی جامہ پہنائے۔ مجددین نے احیائے دین کی کوششوں میں اس فطری اصول کو کبھی نظر انداز نہ ہونے دیا۔ جس دور میں جس ''ضرورت'' کی جتنی اہمیت دیکھی، ''اجتہادات'' میں اس کو ویسا ہی مقام دیا''۔

(اسلام کا نظریۂ اجتہاد۔ ص:82-81)

QUARTERLY
Shauor o Aaghi

April-June 2012 Issu# 2 Vol.04 Regd.# 370-S

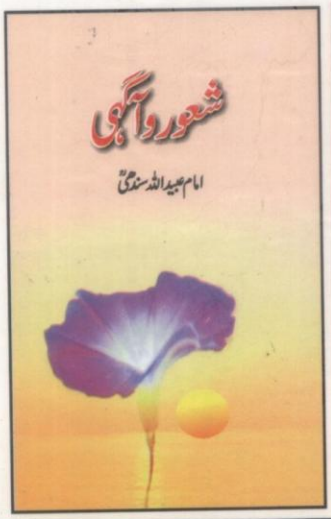

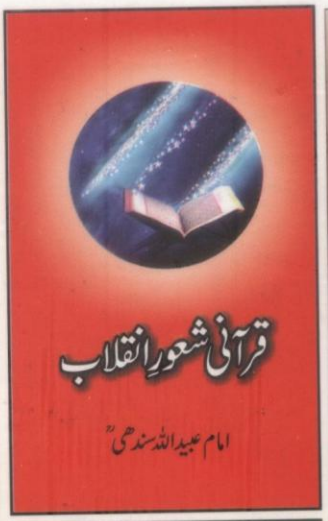

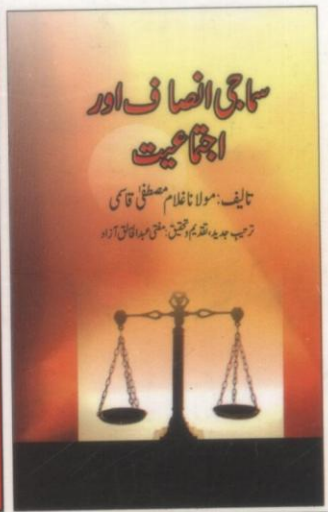

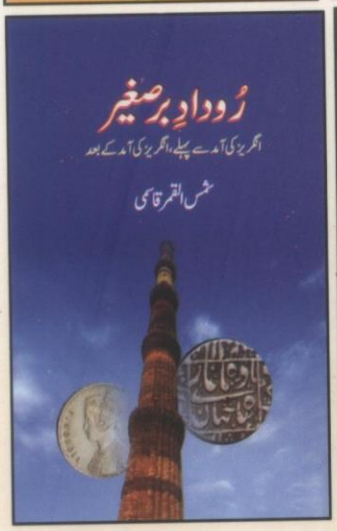

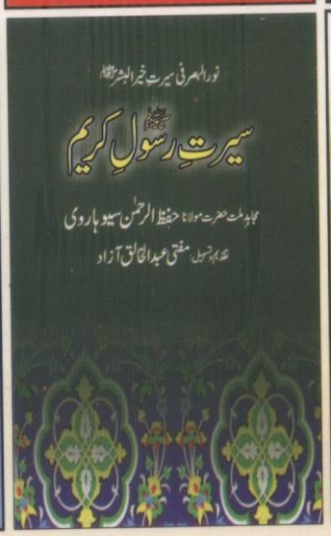

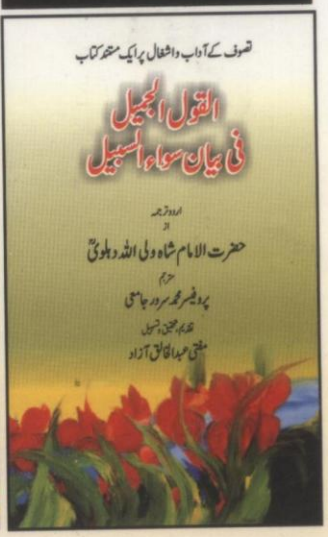

رحیمیہ مطبوعات

رحیمہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ، شاہراہِ فاطمہ جناح، لاہور

092-42-36307714 , 36369089 www.rahimia.org

Email: info@ rahimia.org